



وحی کی حقیقت اور اہمیت

مصنف

سید حسنین عباس گردیزی

فہرست

وحی کا اصطلاحی مفہوم:

۱ کلام الہی:

۲ علم و آگاہی اور اس کی تعلیم:

۳ پیغام الہی:

فصل سوم:

وحی قرآن میں:

۱- وحی بمعنی خلقت و ایجاد

باب دوم

وحی کی ضرورت

ضرورت وحی:

دلیل اول:

دلیل دوم:

دلیل سوم:

دلیل چہارم:

مصادر

وحی کی حقیقت اور اہمیت

اسلامی اور استشراقی افکار کا تحقیقی مطالعہ

”سید حسنین عباس گردیزی“

وحی کا اصطلاحی مفہوم:

لغت میں لفظ ”وحی“ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے ان معانی کے درمیان قدر جامع اور قدر مشترک ”مخفی تفہیم اور القاء“ ہے۔

۱ دور جاہلیت کے شعراء اس لفظ کو کتابت، اشارے اور مکتوب کے معانی میں بروئے کار لائے ہیں۔

۲ دین اسلام میں یہ لفظ ایک خاص معنی میں اس درجہ کثرت سے استعمال ہوا کہ منقول شرعی بن گیا اور شرعی نوعیت اختیار کر گیا اس کے بعد جب بھی یہ لفظ کسی نبی یا پیغمبر کے حوالے سے ذکر ہوا تو اس سے یہی خاص معنی مراد لیا گیا جسے وحی کا اصطلاحی معنی کہا جاتا ہے۔

لہذا اسلامی متون میں جب یہ لفظ بطور مطلق اور بغیر قرینے کے استعمال ہوتا ہے تو اس سے یہی اصطلاحی خاص معنی مراد ہیں البتہ قرینے کی موجودگی میں دیگر معانی مراد لیے جاسکتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کے اسلامی متکلم شیخ مفید نے بیان کیا ہے:

”وَإِذَا أَضِيفَ (الوحي) الى الله تعالى كان فيما يخص به الرسل خاصةً دون من سواهم على عَرَفِ الإسلام و شريعة البنى“ (۳)

جب وحی کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آئے تو اس سے مراد شریعت نبی اور اسلام کے عرف میں انبیاء کے ساتھ

مخصوص وحی ہے دیگر معانی ہرگز مراد نہیں ہیں۔
تفسیر المنار کے مؤلف نے مذکورہ مطلب کو یوں بیان کیا:
للوحي معنى عام يطلق على عدة صور من الاعلام الخفى الخاص الموافق لوضع اللغة وله معنى خاص هو احد الاقسام الثلاثة للتكليم الالهي وغير هذه الثلاثة من الوحي العام لا يعد من كلام الله تعالى التشريعي (٤)
وحی کا عام معنی کا اطلاق مخفی طور پر آگاہ کرنے کی مختلف صورتوں پر ہوتا ہے اور اس کا ایک خاص معنی ہے جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے تشریحی کلام کے سوا کسی اور معنی پر نہیں ہوتا۔
عصر حاضر کے مفسر علامہ طباطبائی لکھتے ہیں:
وقد قرر الادب الديني في الاسلام ان لا يطلق الوحي غير ما عند الانبياء والرسول من التكليم الالهي (٥)
اسلام میں ادب دینی کا تقاضا ہے کہ خدا اور انبیاء کے درمیان گفتگو کے علاوہ کسی اور چیز پر وحی کا اطلاق نہ کیا جائے۔

ڈاکٹر حسن ضیاء الدین عتر، وحی کے اصطلاحی معنی کے بارے میں لکھتے ہیں:
”اقول ومن هنا نلاحظ ان معنى الوحي في الشرع اخص منه في اللغة من جهة مصدره وهو الله تعالى ومن جهة الموحى اليه وهم الرسل“ (٦)

ہم کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ہم ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ وحی کا شرعی معنی اپنے مصدر یعنی اللہ تعالیٰ اور جن کی طرف یہ وحی کی جاتی ہے یعنی رسولوں کے لحاظ سے اپنے لغوی معنی سے اخص ہے۔
مولانا تقی عثمانی کہتے ہیں:
لفظ ’وحی‘ اپنے اصطلاحی معنی میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ اب اس کا استعمال پیغمبر کے سوا کسی اور کے لیے درست نہیں ہے (٧)

رائج لطفی نے بیان کیا ہے:
كذلك يذكر اللغويون لكلمة الوحي معاني كثيرة ثم غلب استعمال الوحي على ما يلقى الى الانبياء من عند الله (٨)
اس طرح اہل لغت نے لفظ وحی کے بہت سے معنی ذکر کیے ہیں پھر اس کا استعمال ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء پر القاء کیے جانے والے کلام کے لیے غالب ہو گیا۔
معاصر محقق محمد باقر سعیدی وحی کے خاص معنی کے بارے میں لکھتے ہیں:
درنتیجہ واژه وحی درحوزه اصطلاح علم کلام و بلکه فلسفہ دین در قلمرو ادیان توحیدی اخص از مفہوم لغوی آن است (٩)

نتیجے کے طور پر علم کلام بلکہ ادیان توحیدی کے افق پر فلسفہ دین میں وحی کا مفہوم اس کے لغوی معنی سے اخص ہے۔ اسی مطلب کو اردو دائرۃ المعارف اور سعید اکبر آبادی نے ذکر کیا ہے:
وحی کا استعمال اس معنی خاص میں اس کثرت سے ہوا ہے کہ منقول شرعی بن گیا ہے۔ (١٠)
یہ لفظ اس معنی خاص میں اس درجہ کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ یہ ایک شرعی نوعیت اختیار کر گیا ہے۔ (١١)
اسلامی مفکرین کے علاوہ مستشرقین نے بھی وحی کے خصوصی معنی کو بیان کیا ہے:
رچرڈیل مقدمہ قرآن میں لکھتے ہیں:

The verb "awha" and the noun "wahy" have become the technical terms in moslem theology-
(12)

یعنی فعل ”اوحي“ اور مصدر ”وحی“ اسلام کے اندر اصطلاحی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔
منٹگمری واٹ کہتے ہیں:

The verb here translated "reveal" is "awha" which in much of the Quran is a technical
(expression for this experience of Mohammad-31)

اس کے مطابق فعل ”اوحي“ اصطلاحی مفہوم میں استعمال ہوا ہے بالخصوص قرآن میں یہ لفظ ”وحی محمدی“ کے لیے زیادہ آیا ہے وحی کا یہ خاص اور اصطلاحی مفہوم کیا ہے؟ اس بارے میں علوم اسلامی کے ماہرین نے جو تعاریف کی ہیں ان کی رو سے وحی کے مفہوم کے لیے تین تعبیریں بیان کی گئی ہیں۔

۱ کلام الہی:

صحیح بخاری کے شارحین بدر الدین عینی اور کرمانی نے بیان کیا ہے:

و اما بحسب اصطلاح المتشرعة: فهو كلام الله المنزل على نبي من انبيائه (١٤) شريعت کی اصطلاح میں وحی اللہ کا وہی کلام ہے جو اس کے انبیاء میں سے کسی پر نازل ہوا ہو۔ راغب اصفہانی کا قول ہے:

ويقال للكلمة الالهية التي تلقى الى انبيائه (١٥)

وحی کے معنوں میں سے ایک وہ کلام الہی ہے جو اس کے انبیاء کی طرف القاء کیا گیا ہے۔ تفسیر المنار کے مؤلف نے وحی کے خاص معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

وله (الوحي) معنى خاص هو احد الاقسام الثلاثة للتكليم الالهي وغير هذه الثلاثة من الوحي العام لا يعد من كلام الله تعالى التشریحي (١٦)

اس میں انہوں نے وحی کا خاص معنی کلام الہی بیان کیا ہے البتہ تشریحی ہونے کی قید لگائی ہے۔ ڈاکٹر حسن ضیاء نے بھی اصطلاحی مفہوم کی اسی تعبیر کا ذکر کیا ہے:

وزبدة القول ان الوحي شرعاً القاء الله كلامه او المعنى في نفس الرسول بخفاء وسرعة (١٧)

اس میں انہوں نے اصطلاحی معنی میں تھوڑی سی وسعت پیدا کرتے ہوئے کلام الہی کے علاوہ القاء مفہوم اور معنی کو بھی وحی کا شرعی معنی بتایا ہے:

عصر حاضر کے علماء میں تقی عثمانی اور ذوقی نے اصطلاحی مفہوم کو بالترتیب یوں بیان کیا ہے:

”كلام الله المنزل على نبي من انبيائه“

”الله تعالى کا وہ کلام جو اس کے کسی نبي پر نازل ہو“ (١٨)

”وحی کلام الہی ہے جو عالم غیب سے عالم شہادت کی جانب بذریعہ ایک مقرب فرشتہ کے جنہیں جبرئیل کہتے ہیں رسولوں کے پاس پہنچایا جاتا ہے۔“ (١٩)

٢ علم و آگاہی اور اس کی تعلیم:

مصر کے معروف مفکر محمد عبده وحی کے اصطلاحی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وقدر فوه شرعاً، انه اعلام الله تعالى لنبي من انبيائه بحكم شرعي و نحوه (٢٠)

شرعی لحاظ سے وحی کی تعریف یوں کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء میں سے کسی کو حکم شرعی اور اس طرح کے دیگر احکام سے آگاہ کرنا وحی کہلاتا ہے۔

علوم قرآن کے ماہر محمد عظیم زرقانی نے وحی کی نہایت جامع تعریف کی ہے۔

علم و ہدایت بلکہ ہر قسم کی آگاہی جو اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو دینا چاہے شریعت میں اسے وحی کہتے ہیں لیکن یہ سب کچھ خارق العادت اور مخفی ذریعے سے ہوتا ہے۔ (٢١)

المنار کے مؤلف بھی وحی کو ”انبیاء سے مخصوص علم“ سے تعبیر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

انبیاء کی جانب وحی الہی انبیاء سے مخصوص علم ہے جو تلاش و کوشش اور کسی غیر کی تعلیم کے بغیر انبیاء کو حاصل ہوتا ہے بلکہ اس علم میں انبیاء کے تفکر اور سوچ و بچار کا بھی کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ (٢٢)

ایک اور مصری دانشور رائج لطفی اپنے رائے بیان کرتے ہیں:

على الاصطلاح الشرعي اعلام الله تعالى انبيائه اما بكتاب او بر رسالة ملك في منام او الهام“ (٢٣)

”اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء کو آگاہ کرنا وحی کہلاتا ہے اس کے مختلف ذرائع ہیں مکتوب شکل میں، فرشتے کے ذریعے خواب میں یا دل میں بات ڈالنے سے“

برصغیر کے عالم جیراجپوری بھی وحی کو علوم الہیہ کا نام دیتے ہیں:

اصطلاح شرع میں وحی ان علوم الہیہ کا نام ہے جو ملاء اعلیٰ سے نبي کے دل پر القاء کیے جاتے ہیں (٢٤)

غلام احمد پرویز کے بقول وحی کا اصطلاحی مفہوم علم الہی ہے: وہ لکھتے ہیں:

”وحی کے اصطلاحی معنی ہیں وہ علم جسے خدا ایک برگزیدہ فرد کو براہ راست اپنی طرف سے دیتا ہے قرآنی اصطلاح کی رو سے وحی کے معنی ہیں ”خدا کی طرف سے براہ راست ملنے والا علم“ (٢٥)

انہوں نے اصطلاحی معنی کو بہت ہی محدود کر دیا ہے ان کی نظر میں فقط وہی علم وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست دیا جائے اس سے فرشتے کے ذریعے سے ملنے والی آگاہی وحی کے زمرے سے خارج ہو جاتی ہے کہ باقی آراء کے خلاف بات ہے کیونکہ اکثر محققین نے وحی کے تینوں ذرائع جو سورہ شوریٰ کی آیت ٥١ میں بیان ہوئے ہیں، کو اصطلاحی معنی میں وحی کا نام دیا ہے۔

برصغیر کے ایک اور دانشور نے وحی کو علم الہی کا نام دیا ہے وہ کہتے ہیں:
 ” شریعت اسلام کی اصطلاح میں وحی خاص اس ذریعہ غیبی کا نام ہے جس کے ذریعہ غور و فکر کسب و نظر اور تجربہ و استدلال کے بغیر خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے فضل و لطف خاص سے کسی نبی کو کوئی علم حاصل ہوتا ہے۔“ (۲۶)

ایران کے معاصر محقق ڈاکٹر صالحی کرمانی لکھتے ہیں:
 تعلیمی کہ خدا وند از راہبای کہ بر بشر پنہاں است و بطور سریع یعنی برکنار از مقدمات و روش آگاہی های بشری بہ پیا مبرمی دہد“ (۲۷)

ان کے بقول وحی وہ تعلیم ہے جو اللہ تعالیٰ مخفی ذریعے سے تیزی کے ساتھ اپنے پیغمبر کو دیتا ہے یہ تعلیم دیگر انسانی ذرائع تعلیم سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔
 ایران کے ایک اور محقق سعیدی روشن بیان کرتے ہیں:
 ”بنا بر این معنای اصطلاحی وحی در علم کلام عبارت است:
 از تفہیم یک سلسلہ حقائق و معارف از طرف خدا وند بہ انسا نہای بر گذیہ پیا مبران برای ہدایت مردم؛ از راہ های دیگری غیر از راہبای عمومی و شناختہ شدہ معرفت ہمچون حس و تجربہ و عقل و حدس و شہود عرفانی، تا اینکه آنہا پس از دریافت، آن معارف رہہ مردم ابلاغ کنند“ (۲۸)

ان کی تحقیق کے مطابق اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے انبیاء کو لوگوں کی ہدایت کے لیے حقائق اور علوم کی تفہیم کا نام ہے یہ تفہیم اور تعلیم جانے پہچانے انسانی ذرائع علم (جیسے حواس خمسہ، تجربہ، عقل، گمان، عرفانی مشاہدات) سے ماوراء ذریعے سے ہوتی ہے اور ان حقائق اور معارف کو لوگوں تک پہنچانا مقصود ہے۔
 پاکستان کے محقق شمس الحق افغانی وحی کا اصطلاحی مفہوم یہ ذکر کرتے ہیں:
 ”وحی کا شرعی معنی الاعلام بالشرع، یعنی صرف شرعی احکام بتلانے کا نام وحی ہے“ (۲۹) یہ وحی انبیاء علیہم السلام سے مختص ہے“ (۳۰)

برطانوی مستشرق منٹگمری واٹ لکھتے ہیں:

Most commentators and translators treat most of instances of the words in the Quran as technical (31). بت سے مفسرین اور مترجمین نے قرآن میں اس لفظ کے استعمالات سے اصطلاحی مفہوم مراد لیا ہے۔
 اصطلاحی مفہوم کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

The verb here translated "reveal" is "awha" which in which of the Quran in a technical (expressin for this experience of Muhammad) (32)

یعنی وحی کا لفظ اصطلاحی معنوں میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تجربے (نبوت) کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے قرآن میں یہ لفظ زیادہ تر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی کے لیے فقط نہیں آیا بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی وحی کے لیے استعمال ہوتا ہے (۳۳)

۳ پیغام الہی:

ڈاکٹر حمید اللہ نے اصطلاح میں وحی کا مفہوم یوں ذکر کیا ہے:
 ” اللہ اپنے کسی برگزیدہ بندے کے پاس اپنا پیغام بھیجتا ہے یہ پیغام اس تک مختلف طریقوں سے پہنچایا جاتا ہے کبھی تو اللہ کی آواز براہ راست اس نبی کے کان تک پہنچتی ہے، کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ پیغام ایک فرشتہ لاتا ہے اور انسان تک پہنچاتا ہے فرشتے خدا کا جو پیغام لاتے ہیں اس کو ہم اصطلاحاً ”وحی“ کہتے ہیں“ (۳۴)

انہوں نے وحی کے خاص مفہوم کو اور بھی محدود کر دیا ہے اور صرف فرشتوں کے ذریعے پہنچائے جانے والے پیغام کو وحی کہا ہے حالانکہ نبی کو براہ راست القاء بھی وحی بمعنی خاص ہے۔
 اسلامی علوم کے ماہرین نے وحی کے اصطلاحی مفہوم کو مختلف الفاظ اور تعبیروں سے واضح کی ہے ان میں سے بعض نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو وحی کا اصطلاحی مفہوم قرار دیا ہے۔ (۳۵) یہ وحی کا اسمی معنی ہے۔
 بعض مفکرین نے اللہ تعالیٰ کے اپنے انبیاء سے گفتگو کرنے کو اصطلاح میں وحی کہا ہے (۳۶)
 یہ وحی کے مصدری معنی کے لحاظ سے ہے۔
 انہی میں سے بعض نے علم اور معارف کو وحی کا نام دیا ہے۔ (۳۷)

جبکہ بعض نے خود علم کی تعلیم دینے اور معارف کو سکھانے کے عمل کو وحی کا جامہ پہنایا ہے۔ (۳۸)

اور یہ تفاوت بھی وحی کے اسمی اور مصدری معنی کی وجہ سے ہے اور چونکہ اہل لغت نے وحی کے دونوں معنی بیان کیے ہیں۔ (۳۹)

اس لیے جن علماء کے پیش نظر وحی کا اسمی معنی تھا انہوں نے اس کا اصطلاحی مفہوم ”کلام الہی“ اور ”علم و معارف“ بیان کیا اور جن کے سامنے اس کا مصدری معنی تھا انہوں نے اس کا مفہوم ”کلام کرنا“ اور ”تعلیم دینا“ بتایا ہے پس اصطلاحی مفہوم میں دونوں جہتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

تعبیروں کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جنہوں نے کلام یا کلام کرنے کی تعبیر استعمال کی ہے انہوں نے خود قرآن کے الفاظ کو استعمال کیا ہے جو وحی کے لیے سورہ شوریٰ کی آیت ۵۱ میں استعمال ہوئے ہیں۔ (۴۰) جبکہ دوسروں نے واقعیت کو مدنظر رکھتے ہوئے علم، حقائق اور تعلیم کے الفاظ استعمال کیے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے برگزیدہ بندوں سے کلام کرنا انہیں تعلیم دینا ہی ہے انہیں کائنات کی حقیقتوں سے آگاہ کرنا ہے انہیں آداب زندگی سکھانا ہی ہے اس لیے میری رائے میں تعابیر کا اختلاف مفہوم میں کسی جوہری اور اصلی اختلاف کا باعث نہیں بنتا دونوں کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے البتہ علم اور تعلیم دینے کی تعبیر زیادہ موزوں ہے۔

اس تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اصطلاح میں:

”وحی اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کے درمیان وہ مخصوص، غیر معمولی اور مافوق العادت رابطہ ہے جو بشر کے لیے تمام ذرائع علم (تجربہ، حواس، عقل) سے ماوراء ہے اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو انسانوں کی ہدایت اور ارتقاء کے علوم و معارف اور احکام و قوانین کی تعلیم دینا ہے۔“

اس مقالے میں وحی کا یہی اصطلاحی مفہوم اور وحی کا مصدری معنی ہی موضوع تحقیق ہے۔

حوالہ جات:

- ۱ اس تحریر کی گذشتہ قسط کی بحث کا یہی نتیجہ نکلا تھا۔
- ۲ العجاج نے اوحی ”کو اشارے کے معنی میں استعمال کیا ہے:
- ”فاوحت الینا و الانا مل رسلہار و شدھا بالراسیات الثبت
- العجاج نے اسی لفظ کو کتابت کے معنی میں اپنے اس شعر میں ذکر کیا ہے:

حتی نحاهم جننا و الناحی
لقدر کان وحاء الواحی
(دیوان عجاج، ص ۴۳۹)

لیبد نے مکتوب کے معنی میں بیان کیا ہے:
وفمدا فع الریان عری رسمہا
خلقا کما ضمن الوحی سلا مہا

- ۳ مفید محمد بن نعمان الشیخ المفید (۵) تصحیح الاعتقاد، المؤتمر العالمی لالفیة الشیخ المفید، ۱۴۱۳ھ ص ۱۲۰
- ۴ رشید رضا: تفسیر المنار: ج ۱ ص ۱۷۹
- ۵ طباطبائی محمد حسین: المیزان فی تفسیر القرآن: ج ۱ ص ۱۲
- ۶ ضیاء الدین عتر حسن ڈاکٹر: وحی اللہ، دعوة الحق مکہ مکرمہ رجب ۱۴۰۴ ہجری ص ۵۲
- ۷ عثمانی محمد تقی: علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۴۰۸ھ، ص ۲۹
- ۸ جمعہ رانج لطفی: القرآن والمستشرقون، قاہرہ ۱۳۹۳ھ
- ۹ سعیدی روشن محمد باقر: تحلیل وحی از دیدگاه اسلام و مسیحیت، مؤسسہ فرہنگی اندیشہ ۱۳۷۵ھ ص ۱۷
- ۱۰ اکبر آبادی سعید احمد: وحی الہی، مکتبہ عالیہ لاہور ص ۲۵
- ۱۱ اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ: دانشگاہ پنجاب لاہور ج ۱ ص ۳۲۱
- ۱۲ -Bell, Richard: Introduction to the Quran; p-32 Edinburg 1953
- ۱۳ -Watt, W. Montgomery: Islamic Revelation in the Modern World; p-13 Edinburg 1969
- ۱۴ عینی بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد (م ۸۵۵) عمدۃ القاری لشرح صحیح البخاری، ج ۱ ص ۱۸ کرماتی صحیح البخاری بشرح کرماتی، مؤسسہ المطبوعات الاسلامیہ قاہرہ، الجزء الاول: ص ۱۴
- ۱۵ راغب اصفہانی: ”معجم المفردات الفاظ القرآن“، ص ۵۱۵
- ۱۶ تفسیر المنار، ج ۱، ص ۱۷۹، ۱۱
- ۱۷ وحی اللہ، ص ۵۲
- ۱۸ علوم القرآن، ص ۲۹

- ۱۹ شاہ ذوقی مولانا: القاء الہام اور وحی، اقبال اکیڈمی لاہور ص ۱۳
- ۲۰ عیدہ محمد: رسالۃ التوحید، مصر ۱۳۸۵، ص ۱۱۱
- ۲۱ زرقانی محمد عظیم: مناہل العرفان فی العلوم القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص ۵۶
- ۲۲ تفسیر المنار، ج ۱ ص ۲۳۰
- ۲۳ القرآن والمستشرقون، ص قابرہ ۱۳۹۳ھ
- ۲۴ جیرا جیوری اسلم: تاریخ القرآن، آواز اشاعت گھر، لاہور ص ۱۲
- ۲۵ پرویز غلام احمد: ختم نبوت اور تحریک احمدیت طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور ۱۹۹۶ء ص ۲۴
- ۲۶ وحی الہی، ص ۲۵
- ۲۷ صالحی کرماتی، محمد رضا ڈاکٹر: درآمدی بر علوم قرآنی، انتشارات جہاد دانشگاہی دانشگاہ تہران، ۱۳۶۹ھ، ص ۲۵۲
- ۲۸ تحلیل وحی از دیدگاه اسلام و مسیحیت، ص ۱۷۱۸
- ۲۹۳۰ افغانی شمس الحق، علوم القرآن مکتبہ الحسن لاہور، ص ۹۶، ۹۸
- ۳۱۳۲ Edinburg 1969-14 & Watt, W. Montgomery: Islamic Revelation in the Modern World-p13
- ۳۳ مندرجہ ذیل آیات میں یہ لفظ دیگر انبیاء کی وحی کے لیے آیا ہے
- نساء ۱۶۳: اعراف ۱۶۰، ۱۱۷، یونس ۲، طہ ۷۷، مومنون ۲۷، شعراء ۶۳، ۵۲، یوسف ۱۰۹: نحل ۴۳ انبیاء ۲۵، ۷
- شوریٰ ۵۱، ۳: ہود ۳۶، ۳۷، زمر ۶۵
- ۳۴ - حمید اللہ محمد ڈاکٹر: خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۸۸ء، ص ۱۹۱
- ۳۵ عینی بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۸ راغب اصفہانی معجم المفردات لالفاظ القرآن، دار الفکر بیروت ص ۱۵ وحی اللہ ص ۵۲ علوم القرآن ص ۲۹ القاء الہام اور وحی ص ۱۳
- ۳۶ تفسیر المنار: ج ۱ ص ۱۷۹
- ۳۷ تفسیر المنار، ج ۱ ص ۱۲ تاریخ القرآن، ص ۱۲ ختم نبوت اور تحریک احمدیت، ص ۲۴ وحی الہی ص ۲۵
- ۳۸ رسالۃ التوحید، ص ۱۱۱، مناہل العرفان فی العلوم القرآن، ص ۵۶، القرآن والمستشرقون، درآمدی بر علوم قرآنی، ص ۲۵۲، تحلیل وحی از دید گاہ اسلام و مسیحیت ص ۱۷، ۱۸۔
- ۳۹ الصحاح تاج اللغة و صحاح العربیة، تحقیق احمد عبدالغفور عطارج، ص ۲۵۱۹، دار علم للملايين، بیروت معجم مقانیس اللغة
- ج ۶۹ لسان العرب ج ۱۵، ص ۳۷۹
- ۴۰ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْتُمَ اللَّهُ إِلَا وَخْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِأَيْدِيهِ مَا يَشَاءُ أَنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ

وحی کی حقیقت اور اہمیت

فصل سوم:

وحی قرآن میں:

قرآن میں لفظ وحی اور اس کے مشتقات ۷۸ بار استعمال ہوئے ہیں یہ لفظ اسم اور فعل دونوں میں آیا ہے، اسم (وحی) ۶ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور فعل (أوحی، أوحینا، أوحی، یوحی) ۷۲ مرتبہ آیا ہے قرآن مجید میں یہ لفظ صرف اصطلاحی مفہوم تک محدود نہیں ہے بلکہ لغت کے اعتبار سے وسیع معنی میں بروئے کار لایا گیا ہے اصطلاحی مفہوم میں یہ لفظ سب سے زیادہ استعمال ہوا ہے اپنے موارد استعمال میں سے ۶۶ مقامات پر یہ لفظ اپنے شرعی اور اصطلاحی معنی میں آیا ہے اس کے علاوہ یہ لفظ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے ذیل میں اس امر کا جائزہ لیا جاتا ہے

جیش نقلیسی نے لکھا ہے کہ قرآن میں وحی دس معنوں میں آیا ہے:

- ۱- خفیہ بات کرنا
- ۲- نیچے بھیجنا
- ۳- پیغام دینا
- ۴- خط لکھنا
- ۵- اشارہ کرنا
- ۶- آگاہ کرنا

۷۔ الہام

۸۔ فرمانبردار بنانا

۹۔ امر کرنا

۱۰۔ وسوسہ شیطان

فخر الدین رازی نے بیان کیا ہے:

”واما الایحاء فقد ورد الكتاب به على معان مختلفة يجمها تعريف الموحى اليه بامر خفى من اشارة اوكتابة او غير هما و بهذا الفسیر يعد الالهام وحيا“ (۲)

معاصر محققین میں سے جعفر سبحانی نے قرآن میں وحی کے پانچ معانی ذکر کیے ہیں اور ہر ایک کے لیے آیات قرآنی پیش کی ہیں انہوں نے ان معانی کا ذکر کیا ہے:

۱۔ ہدایت تکوینی (فصلت ۱۲ زلزلة ۵۴)

۲۔ ادراک غریزی (نحل ۶۸)

۳۔ القاء بروح (قصص ۷، مائدہ ۱۱۱، یوسف ۱۵، انفال ۱۲، انعام ۱۲۱، انعام ۱۱۲)

۴۔ امدادہای غیبی (انبیاء ۷۳)

۵۔ وحی تشریحی جو انبیاء اور رسولوں سے مخصوص ہے (یونس ۲، رد ۳۰، انعام ۳۰، انعام ۱۹، اسراء ۷۳، ۳۹، ۸۶، طہ ۷۷، انبیاء اور دیگر بہت سی آیات) (۳)

ہادی معرفت کے بقول ”قرآن“ نے اس لفظ کو چار معنوں میں استعمال کیا ہے:

۱۔ نفس المعنی اللغوی: الایماء الخفیة یعنی خود لغوی معنی جو کہ خفیہ اشارہ ہے

۲۔ ترکیز غریزی فطری یعنی جبلت کو ودیعت کرنا

۳۔ الہام نفسی: دل میں بات ڈالنا

۴۔ انبیاء اور رسل کی طرف اللہ تعالیٰ کا القاء (۴)

ڈاکٹر محمود رامیار لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں وحی اور ایحاء مختلف طریقوں سے آیا ہے کہ بعض موقعوں پر لغوی معنی سے بہت فرق نظر آتا ہے قرآن میں اس کے لغوی معنی ”مخفی اشارہ“ کا ذکر ہے جیسے سورہ مریم کی آیت خدا اور انسان کے درمیان رابطے کے تین طریقوں کے لیے لفظ وحی کا استعمال ہوا ہے کبھی وحی ”جبلت اور فطری شعور باطنی“ ہوتی ہے جیسے سورہ نحل کی آیت ۶۸ میں شہد کی مکھی کو وحی کی گئی ہے

یہی وحی جبلت و آسمانوں کے امر میں استعمال ہوا ہے مثلاً سورہ فصلت آیت ۱۲ اس کو تسخیر بھی کہتے ہیں خدا اور

فرشتوں کے رابطے کو بھی وحی کہا جاتا ہے جیسے سورہ انفال آیت ۱۲

شیطان کے وسوسے کو بھی بطور خاص وحی کہا گیا ہے سورہ انعام آیت ۱۲۱، ۱۱۲ اور آگے بڑھیں تو برگزیدہ افراد کو بھی وحی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی ہوئی سورہ قصص، آیت ۸ اور حضرت عیسیٰ کے

حواریوں کو بھی حضرت عیسیٰ کے واسطے سے وحی کا ”اعلان“ ہوا (۵)

ان آراء کے بارے میں تجزیے کے طور پر یہ نکات سامنے آتے ہیں

۱۔ تقلیسی نے وحی کے مفہوم اور اس کے مصداق میں فرق نہیں کیا بلکہ مصادیق کو بھی وحی کے مفہوم میں شامل کر دیا ہے جیسے نیچے بھیجنا، فرمانبردار بنانا اور وسوسہ شیطان

۲۔ فخر الدین رازی نے صرف اشارے اور کتابت کو بیان کیا ہے باقی طرق وحی کو ذکر نہیں کیا البتہ الہام کو بھی وحی شمار کیا ہے

۳۔ سبحانی نے بھی زیادہ تر مصادیق وحی کو بیان کیا ہے اور انہیں مفہوم وحی میں شامل کیا ہے جیسے

ہدایت، تکوینی، ادراک غریزی، امدادہای غیبی

۴۔ ہادی معرفت نے لغوی معانی کے استعمالات کو اچھے طریقے سے بیان کیا ہے

۵۔ ڈاکٹر محمود رامیار کی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ”قرآن میں بعض موقعوں پر لغوی معنی سے بہت فرق نظر آتا ہے“ کیونکہ فصل میں وحی کا جو مفہوم متعین ہوا ہے اس کی قدر مشترک ان تمام موارد میں موجود ہے اور لفظ وحی اپنے

استعمالات کے تمام موارد میں اپنے لغوی مفہوم سے ہم آہنگ ہے

مزید یہ کہ انہوں نے بھی زیادہ تر وحی کے مصادیق بیان کرنے پر اکتفاء کیا ہے

جب ہم قرآن میں وحی کے استعمال کا تجزیہ کرتے ہیں تو سب سے زیادہ یہ اپنے اصطلاحی مفہوم میں بروئے کار لایا گیا

ہے ان موارد کی تعداد ۶۶ ہے ایک محقق کے مطابق ان موارد کی تعداد ۷۰ سے بھی زیادہ بتائی ہے
 ۶۔ شرعی اور اصطلاحی مفہوم میں وحی کا استعمال تمام انبیاء کے لیے ہوا ہے لیکن ان میں اکثریت ایسے مقامات کی ہے
 جہاں یہ لفظ آنحضرت محمد اور قرآن کے لیے استعمال ہوا ہے
 ۷۔ قرآن کی وہ آیات جن میں یہ لفظ اپنے اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں ہوا مجموعی طور پر ان کی تعداد ۱۲ ہے ذیل
 میں ہم ان آیات کا جدا جدا جائزہ لیتے ہیں
 (۱) فخر ج علی قومہ من المحراب فاوحی الیہم ان سبحوا بکرة و عشیا
 ۸۔ پس وہ اپنی محراب سے لوگوں کی طرف نکلا اور انہیں اشارے سے کہا صبح و شام خدا کی تسبیح کیا کرو اس آیت میں
 اوحی“ کا کیا مفہوم ہے اس بارے میں دو آراء پائی جاتی ہیں:
 ۱۔ بمعنی ”اشارہ کیا“
 ۲۔ بمعنی ”لکھا“

راغب اصفہانی نے اس آیت میں اوحی کا مفہوم اشارہ کرنا بیان کیا ہے
 ۹۔ علامہ طبرسی نے بھی ”اشارہ کرنا“ معنی کیا ہے البتہ انہوں نے ”قیل“ کے لفظ کے ساتھ دوسرے معنی کو بھی بیان کیا
 ہے

۱۰۔ ایک اور مقام پر انہوں نے صرف پہلا معنی ہی ذکر کیا ہے
 ۱۱۔ پس ان کی رائے میں یہاں ”اشارہ کرنا“ ہی اوحی کا معنی ہے زمختری نے الکشاف میں دو مقامات پر اس آیت کا ذکر
 کرتے ہوئے ”اوحی“ کے معنی کو بیان کیا ہے (۱) اوحی: اشار عن مجاہد ویشہدہ الارمزا و عن ابن عباس کتب لہم علی
 الارض

۱۲۔ اس مقام پر انہوں نے دونوں معنی ذکر کیے ہیں جبکہ دوسرے مقام پر انہوں نے صرف پہلا معنی ہی ذکر کیا
 ۱۳۔ اور اول الذکر مقام پر انہوں نے ”اشارہ کرنا“ کے حق میں رائے بھی دی ہے اور اس کی دلیل آیت کا سیاق بیان
 کیا ہے شیخ طوسی نے بھی اوحی کا معنی ”اشارہ کرنا“ متعین کیا ہے
 ۱۵۔ صحیح البخاری بشرح الکرمانی میں امام عبداللہ الیتمی الاصفہانی کا قول نقل کیا گیا ہے اس کے مطابق یہاں اوحی
 بمعنی ”لکھنے“ کے آیا ہے

۱۶۔ علامہ طبری نے اپنی تفسیر میں کہا ہے (فاوحی الیہم ان سبحو) بمعنی فالقی ذلک الیہم ایماء و الاصل فیہ ماوصفت من
 القاء ذلک الیہم وقدیکون القاؤہ ذلک الیہم ایماء ویکون بکتاب

۱۷۔ یعنی انہوں نے بھی پہلے معنی کو ہی اوحی کا مفہوم بیان کیا ہے
 معاصر محققین میں سے تفسیر المنار اور تفسیر المیزان کے مصنفین نے مذکورہ آیت میں اوحی کا معنی ”اشارہ کرنا“ ہی
 بیان کیا ہے

۱۸۔ ہماری تحقیق کے مطابق اس آیت میں لفظ وحی اپنے لغوی معنی ”اشارہ کرنا“ میں استعمال ہوا ہے اور اپنے لغوی
 معنی سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے اس کی دلیل آیت کا یہ سیاق ہے:

حضرت زکریا نے کہا: میرے پروردگار میرے لیے کوئی نشانی قرار دے فرمایا: تو صحیح و سالم ہوتے ہوئے تین
 رات (دن) لوگوں سے بات نہیں کر پائے گا

۱۹۔ بالکل اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا: زکریا نے عرض کیا پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی قرار
 دے فرمایا: الاتکلم الناس ثلاثۃ ایام الارمزا ”تو ”رمز“ کے علاوہ تینوں لوگوں سے تین دن تک بات نہیں کر سکے گا

۲۰۔ یہ لفظ ”رمز“ دلالت کرتا ہے کہ حضرت زکریا نے اپنی قوم کو اشارہ کر کے اپنا مقصد بیان کیا
 واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا و من الشجر و مما یعرشون ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا
 ۲۱۔ تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ پہاڑوں، درختوں میں اور جو عرشے لوگ بناتے ہیں ان میں گھر
 بنائے پھر تمام پھلوں میں سے کھانے اور جو راستے تیرے پروردگار نے معین کیے ہیں ان میں راحت سے چلے پھرے
 اس آیت میں شہد کی مکھی کو کی جانے والی وحی اپنے کس مفہوم میں ہے اس بارے میں علامہ طبری کا قول ہے:

(واوحی ربک الی النحل) بمعنی القی ذلک الیہا فالیہا

۲۲۔ یعنی آیت میں مذکور پیغام اس کی طرف القاء کیا گیا پس اسے الہام کیا گیا

صاحب الکشاف نے بیان کیا ہے

الایحاء الی النحل: الہاماً و القذف فی قلوبہا و تعلیمہا علی وجہ ہوا علم بہ لاسبیل لاحدالی الوقوف علیہ

۲۳۔ شہد کی مکھی کی طرف وحی کا معنی الہام، اس کے دل میں ڈالنا اسے ایسے طریقے سے تعلیم دینا ہے جو صرف وہی

جانتا ہے

علامہ طبرسی نے کہا

واحی ربک الی النحل، ای الہما الہاما عن الحسن و ابن عباس و مجاہد و قبیل جعل ذالک فی غرائزہا بما یخفی مثله عن غیرہا
۲۴۔ انہوں نے حسن ابن عباس اور مجاہد سے نقل کیا ہے کہ واحی کا معنی الہام ہے جبکہ ایک اور قول کا بھی ذکر کیا ہے

ایک اور مقام پر انہوں نے اس معنی ”الہام“ متعین کر دیا ہے

۲۵۔ اسی طرح قدماء میں سے ابن قیم جوزی (۲۶) صحیح بخاری (۲۷) اور فخر الدین رازی (۲۸) نے مذکورہ آیت میں وحی کا
معنی الہام بیان کیا ہے

المنار کے مصنف مذکورہ آیت میں وحی کا معنی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

الوحی فی اللغة یطلق علی مایکون غریزة دائمة و منہ قوله تعالیٰ (۱۶۶۸)

۲۹۔ لغت میں وحی کا اطلاق دائمی عزیزہ پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے

علامہ طباطبائی اسے یوں بیان کرتے ہیں

”واحی ربک الی النحل“ ای الہم من طریق غریزہ الی الودعیاتی بینہ

۳۰۔ واحی بمعنی الہام ہے جبلت کے ذریعے سے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی سرشت میں ودیعت کیا ہے

ایک اور مقام پر وہ اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فالہام بالقاء المعنی فی فہم الحيوان من طریق الغریزة من الوحی

۳۱۔ پس الہام یعنی حیوان کی سمجھ میں جبلی طور پر کسی معنی کا ڈالنا یا القاء کرنا وحی ہے ”ہادی معرفت قرآن میں وحی
کے معانی بیان کرتے ہوئے دوسرا معنی یہ ذکر کرتے ہیں

ترکیز غریزی فطری و ہو تکوین طبیعی معقول فی جبلۃ الاشیاء استعارہ من اعلام قولی لا علام ذاتی بجامع الخفاء فی کیفیۃ
اللقاء والتلقى فیما ان الوحی اعلام سری ناسب استعارتہ لک شعور باطنی فطری و منہ قوله تعالیٰ (النحل ۶۸)

۳۲۔ ان کے مطابق یہاں ”واحی“ شہد کی مکھی کی جبلت میں ان امور کو قرار دینے کے معنی میں آیا ہے جن کا آیت میں

ذکر ہے چونکہ وحی کا لغوی معنی بات کا پہنچانا ہے یہاں ذاتی خصوصیت کا پہنچانا ہے البتہ ان دونوں میں قدر مشترک

”القاء کا مخفی ہونا موجود ہے اس لیے یہاں لفظ وحی بطور استعارہ استعمال ہوا ہے یعنی اپنے حقیقی معنی میں استعمال
نہیں ہوا

پیر محمد کرم شاہ نے یہاں وحی کا معنی تسخیر بتایا ہے پھر تسخیر کا یہ معنی کیا ہے: وحی بذریعہ تسخیر یعنی اس چیز
کی فطرت اور طبیعت میں کوئی بات ڈال دی گئی ہے جس کی بجا آوری پر وہ چیز طبعاً مجبور ہے جیسے شہد کی مکھی

۳۳۔ محمود حجازی (من علماء الازہر) (۳۴) اور محمد عزة دروزة (۳۵) نے مذکورہ آیت میں وحی بمعنی الہام بیان کیا

ہے سید شمس الحسن افغانی نے اسے وحی فطری قرار دیا ہے (۳۶) اسی طرح ڈاکٹر رمیار (۳۷) اور جعفر سبحانی (۳۸) نے
یہاں وحی کا معنی بالترتیب ”جبلت فطری“ ”شعور باطنی“ اور ”ادراک غریزی“ قرار دیا ہے

ایک اور معاصر محقق سعیدی روشن نے اسے ”حیوان کی جبلت کی تدبیر“ کا نام دیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ شہد کی مکھی
کے تمام کام تفہیم خاص الہی ہیں جو اس ذات میں ودیعت کر دیئے گئے ہیں اور چونکہ یہ جبلت کا القاء ایک طرح سے اللہ

کی طرف سے خفیہ پیام رسانی ہے اس لیے اس پر وحی کے عنوان کا اطلاق ہوا ہے (۳۹) مذکورہ بالا اقوال سے یہ نتیجہ
حاصل ہوا ہے کہ اس آیت میں وحی کے دو معنی ہیں

۱۔ جبلت اور فطرت کا قرار دینا ۲۔ شہد کی مکھی کے شعور اور فہم میں بات ڈالنا

پہلے معنی کے لحاظ سے اس لفظ کا استعمال مجازی ہے اور دوسرے معنی کی بناء پر وحی اپنے حقیقی اور لغوی معنی
میں استعمال ہوا ہے اور زیادہ تر محققین نے اسی کو انتخاب کیا ہے اور ”حقیقت مجاز سے اولیٰ ہے“ کے اصول کی بناء پر

اس آیت میں وحی کا حقیقی معنی القاء اور الہام ہے

۳۔ اذاو حینا الی امک مایوحیان قذفیہ فی الثابوت فاقد فیہ فی الیم (آیت ۴۰)

اس وقت جب ہم نے تیری ماں کو وہ وحی کی تھی جس کی اسے ضرورت تھی کہ تم اسے صندوق میں ڈال دو اور اس
صندوق کو دریا میں بہادو

۴۔ واوحینا الی ام موسیٰ ان ضعیبہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم و لا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک و جاعلوہ من المرسلین
(۴۱) ہم نے مادر موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلانے جب تجھے اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہو تو اسے

دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا نہیں، نہ ہی غمگین ہونا کیونکہ ہم اسے تیرے پاس لوٹا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے قرار
دیں گے

مذکورہ دو آیات میں لفظ وحی اپنے حقیقی اور لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے البتہ اس کے لیے محققین نے تعبیر مختلف استعمال کی بیناس بارے میں ہادی معرفت بیان کرتے ہیں:

قرآن میں وحی کا تیسرا معنی ”الہام نفسی“ استعمال ہوا یہاں نفسی وہ باطنی شعور ہے جسے انسان اپنے اندر محسوس کرتا ہے لیکن اس کا سرچشمے اور منبع سے وہ ہے خبر ہوتا ہے کبھی یہ الہام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے اور کبھی غیر اللہ کی طرف سے اور رحمانی الہام کی مثال حضرت موسیٰ کی والدہ کو ہونے والی وحی ہے (قصص آیت ۷) (۴۲) الکشاف میں آیا ہے کہ

اما علی طریق الوحی و هو الالہام و القذف فی القلب او المنام کما وحی الی ام موسیٰ

۴۳۔ اس میں تین تعبیر استعمال ہوئی ہیں جن میں پہلی دو ایک معنی کو واضح کرتی ہیں جبکہ تیسری تعبیر بھی اس کے لغوی معنی سے سازگار ہے

ابن قیم جوزی نے بیان کیا ہے

فالتحدیث الہام خاص و هو الوحی الی غیر الانبیاء اما من المكلفین كقوله تعالیٰ (واو حینا الی ام موسیٰ)

۴۴۔ انہوں نے بھی وحی کا معنی ”الہام“ ذکر کیا ہے البتہ اس کے لیے ان کی اپنی اصلاح تحدیث ہے محمد رشید رضا نے اس آیت میں وحی کا مفہوم ”الاعلام فی الخفاء“ یعنی مخفی طور پر آگاہ کرنا بیان کیا ہے

۴۵۔ پیرکرم شاہ نے اسے ”الہام“ قرار دیا ہے

۴۶۔ جعفر سبحانی نے مورد نظر آیت میں وحی کا معنی القاء برروح کر کے اس کی دو اقسام بتائی ہیں جس میں ”الہام“ کے ضمن میں مذکورہ آیت (قصص ۷) کا ذکر کیا ہے

۴۷۔ ڈاکٹر رامیار نے تمام احتمالات کا ذکر کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں: (قصص ۷) (ایسی وحی کو الہام، قلب میں القاء یادل میں ڈالنا، آگاہ کرنا رویا یا وہ کلام جو سنایا گیا کہا گیا ہے

۴۸۔ ان تمام معانی میں جوان اقوال میں مذکور ہوئے ہیں کوئی ایسا معنی نہیں ہے جو وحی کے لغوی معانی سے ہم آہنگ نہ ہو پس تعبیر کوئی بھی ہو اصلی مفہوم ایک ہے اور اس کے لیے جامع تعبیر ”الہام“ ہی ہے (۵) واذوا حیت الی الحوار بین ان آمنوا بی و برسولی قالوا آمنا و اشہد باننا مسلمون

۴۹۔ اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے بھیجے ہوئے پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان بیناس آیت میں ابن فارس نے ”اذا او حیت الی الحواریین“ میں وحی کے

معنی ”لکھے ہوئے حکم“ کے بیان کیے ہیں

۵۰۔ صاحب التاج نے اس آیت میں حواریوں کی طرف وحی کرنے کے معنی ”امر اور حکم دینے“ کے کیے ہیں

۵۱۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ وحی حضرت عیسیٰ کی وساطت سے حواریوں کو ملی تھی (۵۲) امام طبری نے قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے کہا ہے ”اہل تفسیر“ اذوا حیت“ کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے اگرچہ اس کا معنی متفق علیہ ہے بعض نے کہا ہے مجھے محمد حسین نے بیان کیا اور اس نے کہا کہ سدی نے کہا ہے کہ ”اذوا حیت“ یعنی قنومت فی قلوبہم“ جبکہ بعض دوسروں نے اس کا معنی: الہتم کیا ہے

۵۳ امام طبری نے اس وحی کے دو معنی بتائے ہیں صاحب الکشاف نیاس وحی کا معنی رسولوں کی زبانی ”انہیں حکم دینا“ کیا ہے (۵۴) ابن قیم جوزی (۵۵) جعفر سبحانی (۵۶) اور محمود حجازی (۵۷) نے مذکورہ آیت میں وحی کے معنی الہام بیان کیے ہیں ڈاکٹر رامیار نے اسے ”حضرت عیسیٰ کے واسطے سے آگاہ کرنا“ کے معنی متعین کیا ہے (۵۸) امین احسن اصلاحی نے کہا ہے: وحی کا لفظ یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ لغوی معنی میں ہے یعنی دل میں کوئی ارادہ ڈالنا (۵۹) سعیدی روشن نے بھی اس کا مفہوم الہام اور دل میں القاء بیان کیا ہے (۶۰) امر کرنا، مکتوب کے ذریعے بات پہنچانا، دل میں بات یا ارادہ ڈالنا اور آگاہ کرنا سب وحی کے لغوی مفہیم ہیں اس آیت میں بھی وحی اپنے حقیقی اور لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے

۶۔ وان الشیاطین لیوحون الی اولیائہم لیجادلوکم (۶۱) اور شیاطین اپنے دوستوں کو مخفی طور پر کچھ مطالب القاء کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ آپ سے مجادلہ اور جھگڑے کے لیے کھڑے ہو جائیں

۷۔ وکذلک جعلنا لکل نبیٰ عدواشیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا (۶۲) اور اس طرح ہم نے ہر نبی کے مقابلے میں شیاطین جن و انس میں کچھ دشمن قرار دیے ہیں کہ جو پر فریب اور بے بنیاد باتیں مخفی طور پر ایک دوسرے سے کہتے ہیں (۲) آیات میں شیطانی وسوسوں کے لیے وحی کی تعبیر استعمال کی گئی ہے جیسا کہ طبری نے کہا ہے:

وان الشیاطین لیوحون الی اولیائہم یلقون الیہم ذلک وسوسۃ“ یعنی شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں باتیں بطور وسوسہ

ڈالتے ہیں (۶۳) طبرسی نے اس وحی کی تفسیر ”اشارے کرنا“ سے کی ہے اس کے بعد انہوں نے ابن کا قول نقل کیا یہ کہ شیاطین انسانوں میں سے اپنے اولیاء کو وحی کرتے ہیں اور وحی کسی نفس میں مخفی طریقے سے ڈالتا ہے اور شیاطین اہل شرک کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں (۶۴) ایک دوسرے مقام پر انہوں نے خود ابن کا قول اختیار کیا ہے (۶۵) زمخثری نے بھی اس کا معنی وسوسے ڈالتا کیا ہے (۶۶) فخر الدین رازی نے اسے الہام سے تعبیر کیا ہے (۶۷) جسے جعفر سبحانی نے وسواس شیطانی سے تعبیر کیا ہے اور رکلی طور پر اسے القاء بر روح کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے (۶۸) ان کے علاوہ طباطبائی (۶۹) بادی معرفت (۷۰) اور پیر کرم شاہ (۷۱) نے اس وحی کو وسواس شیطانی سے تعبیر کیا ہے سعیدی روشن نے وسوسہ شیطانی سے تعبیر کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے کہا ہے ”کیونکہ یہ القاء ت خفیہ اور چوری چھپے ہوتے ہیں اس لیے ان کے لیے وحی کی تعبیر استعمال ہوئی ہے“ (۷۲) پس معلوم ہوا کہ چونکہ شیطان مخفی طور پر ایک دوسرے یا انسانوں تک بات یا خبر پہنچاتے ہیں اور یہ وحی کے لغوی معنی کا ایک مصداق ہے لہذا یہاں بھی وحی اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے ربی یہ بات کہ اسے وسوسہ شیطانی سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خود قرآن نے اس چیز کے لیے یہ تعبیر استعمال کی ہے سورہ الناس میں آیا ہے

قل اعوذ برب الناس ملک الناس الہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس (۷۳) کہ

دیجنے میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے مالک و حاکم کی لوگوں کے معبود کی خناس کے وسوسوں کے شر، جو انسانوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے

۸۔ ففضہین سبع سموات فی یومین واوحی فی کل سماء امرہا (۷۴) پس انہیں سات آسمانوں کی صورت میں دو دنوں میں پیدا کیا اور ہر آسمان میں اس نے وحی کی

۹۔ یومئذ تحدث اخبار ہابان ربک اوحی لہا (۷۵) اس دن زمین اپنی تمام خیروں کو بیان کر دے گی کیونکہ تیرے پروردگار نے اسے وحی کی ہے تفسیر درمنثور میں دوسری آیت کی تفسیر میں ایک حدیث میں ”اوحی لہا“ کا معنی ”امرہا“ کیا گیا ہے (۷۶) علامہ طباطبائی نے پہلی آیت کے ذیل میں ”اوحی“ کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے قدرے تفصیل سے بحث کی ہے: مختلف اقوال نقل کرنے اور انہیں رد کرنے کے بعد وہ بیان کرتے ہیں

فتحصل بمامر ان معنی قولہ ”واوحی فی کل سماء امرہا“ اوحی فی کل سماء الی اهلہا من الملائکۃ الامر الالہی یعنی جو کچھ کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں اس سے مربوط اور متعلق اپنے امر کو اس کے رہنے والے یا اہل یعنی ملائکہ کو وحی کر دیا (۷۷) ان کی نظر میں یہ وحی آسمان کی بجائے اس کے اہل یعنی فرشتوں کو ہے عظیم مفسر علامہ آلوسی نے اس آیت میں اوحی کے مفہوم میں دو احتمال ذکر کیے ہیں

۱۔ وحی بمعنی خلقت و ایجاد

۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف آسمانوں کے رہنے والوں یعنی فرشتوں کو ان کے فرائض کا سونپا جانا یہاں وحی اپنے معروف معنی میں ہے

۷۸۔ اسی طرح شیخ طوسی نے کہا ہے کہ المراد ہا مرہا ما ارادہ اللہ منہا (۷۹) اس سے آلوسی کی دونوں جہات مراد لی

جاسکتی ہیں جعفر سبحانی اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں

یہاں پر دو باتیں کہی جاسکتی ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں

۱۔ آسمانوں میں وحی سے مراد قوانین اور سنن کا ایجاد کرنا ہے جس کی بنیاد پر وہ خود بخود اپنے امور کو انجام دیتے رہیں اس کی دلیل آیت کا آخری حصہ ”ذلک تقدیر العزیز العلیم“ ہے قرآن نے اس مقام پر لفظ وحی کو مفہوم کا نیا جامعہ پہنایا ہے اس نے اس مورد کو ہمارے لیے کشف کیا ہے کہ ہ بھی وحی کے استعمال کا مصداق ہے

۲۔ یہاں ایک اور رائے بھی پیش جاسکتی ہے جو مندرجہ بالا سے بالاتر ہے وہ یہ ہے کہ یہ عالم محسوسات بطور مطلق آگاہ بصیر اور سمیع ہے یہ ہم ہیں کہ اسے بے جان اور بے شعور سمجھتے ہیں قرآن فرماتا ہے: وان من شی الا یسبح بحمدہ ولکن لاتفقہون تسبیحہ“ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد و تقدیس نہ کر رہی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو اس بناء پر یہ باشعور بصیر اور سمیع عالم کائنات نے مخفی اور سریع تعلیم کے ذریعے اپنے فرائض منصبی کو لیا ہے اور اسے انجام دے رہا ہے

دوسری آیت کے بارے میں وہ کہتے ہیں:

اگر یہ آیت کے ظاہری معنی کو محفوظ رکھیں تو یہ مذکورہ بالا دوسری بات سے زیادہ سازگار ہے اور نظام قوانین و سنن کے ایجاد اور خلق کرنے سے ذرا بھی مطابقت اور ربط نہیں رکھتا زمین کے اللہ تعالیٰ کے خصوصی تعلیم کے ذریعے ممکن ہوا اور اس میں لفظ وحی کے استعمال کے لیے اس امر کا مخفی اور سریع ہونا جواز کا باعث ہے (۸۰) ان کی رائے

میں اگر آسمانوں اور زمین کا صاحب شعور ہونا ثابت ہو جائے تو وحی اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے پہلی صورت میں لفظ وحی جو خلق و ایجاد کے معنی میں استعمال ہوا بطور مجاز استعمال ہوا ہے ڈاکٹر رامیار (۸۱) اور حادی معرفت (۸۲) نے ان دونوں آیات میں بالترتیب تقدیر یا تسخیر اور ترکیز غریزی فطری وحی کا مفہوم قرار دیا ہے حالانکہ یہ وحی کے مصادیق میں شمار ہوتے ہیں خود وحی مخفیانہ طریقے سے پیغام رسانی اور حکم کرنا ہے پرویز نے پہلی آیت کے حوالے سے بیان کیا ہے:

اس آیت میں امر وحی (یاوحی امر) کے معنی مامور کرنے کے ہیں یعنی وہ قانون خداوندی جس کی رو سے خارجی کائنات کی ہر شے اپنے اپنے فرائض مفوضہ کی تکمیل میں سرگرداں ہے اسی کو سورہ نور میں اس طرح بیان کیا گیا ہے ”کائنات کی ہر شے اپنی صلاۃ اور تسبیح کوجانتی ہے“ یہی وہ وحی ہے جو ان میں جاری و ساری ہے یعنی امر خداوندی، خدا کا قانون اسی کے متعلق سورہ زلزال کی آیت ”بان ربک اوحی لہا“ ہے کائنات میں ہر شئی خدا کے امر (حکم) کے مطابق سرگرم عمل ہے یہ خدا کی وہ وہی ہے جو ہر شے میں از خود ودیعت کر دی گئی ہے اسی کو قانون فطرت کہتے ہیں (۸۳) سعیدی روشن نے اس بارے میں اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

قوانین اور ایک نظام کو جہاں خلقت میں اس طرح سے ایجاد اور خلق کرنا کہ ہر ایک اپنی مقررہ مدت تک اپنے خصوصی کردار ادا کرتا رہے یہ چیز خالق کائنات کی طرف سے ان کی ہستی میں رکھ دی گئی ہے گویا اسے خفیانہ صورت میں ودیعت کیا ہے اور یہ وحی ہے اور اس مثال میں استعارے کے لیے لفظ وحی کے مفہوم سے اتنی مماثلت کا فی ہے ظاہری طور پر سورہ زلزال کی آیت ”بان ربک اوحی لہا“ میں بھی وحی مذکورہ معنی یعنی تقدیر و تدبیر کائنات میں استعمال ہوا ہے

۸۴۔ مذکورہ اقوال کے نتیجے میں پہلی آیت میں دو معانی اور دوسری آیت میں وحی کا ایک معنی سامنے آیا ہے
۱۔ ہدایت تکوینی تقدیر و تدبیر نظام ہستی، تسخیر (یہ سب ایک مفہوم کی مختلف تعبیریں ہیں) اگر یہ معنی مراد ہو تو لفظ وحی یہاں بطور استعارہ استعمال ہوا ہے

۲۔ آسمانوں میں وحی سے مراد اس میں رہنے والے فرشتوں کو وحی ہے اگر یہ معنی ہوتو پھر لفظ وحی اپنے حقیقی لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے مگر اس لفظ ”اہل“ کو تقدیر میں لینا پڑے گا جس کے لیے کوئی ٹھوس دلیل ہمارے پاس نہیں ہے لہذا ان آیات میں وحی کا پہلا معنی ہی آیا ہے
۱۰۔ ادیوحی ربک الی الملائکۃ انی معکم فنبتو الذین آمنو

۸۵۔ جب تیرے پروردگار نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں جو لوگ ایمان لائے انہیں ثابت قدم رکھو اس آیت میں پروردگار عالم کی طرف سے فرشتوں کو وحی کی گئی ہے ملائکہ باشعور مخلوق ہیں لہذا ان کی طرف کسی بات کا خاص اور مخفی طریقے سے پہنچانا وحی کا لغوی مفہوم ہے اس لیے یہاں یہ وحی اپنے حقیقی مفہوم میں ہے جعفر سبحانی نے اسے ”القاء بروح“ میں ذکر کیا ہے

۸۶۔ ۱۱۔ و اوحینا الیہ لتنبئنہم بامرہم ہذا و ہم لایشعرون (۸۷) اور ہم نے یوسف کی طرف وحی کی کہ تو انہیں آئندہ ان کے اس کام سے باخبر کرے گا جبکہ وہ نہیں جانتیں گے اس آیت میں بعض محققین نے ”اوحینا“ کو وحی تشریحی قرار دیا ہے اور بعض محققین نے القاء بروح اور الہام کا معنی مقرر کیا ہے
طبرسی لکھتے ہیں:

واوحینا الیہ یعنی الی یوسف قال الحسن اعطاه الله النبوة و هو فی الجب والبشارة بالنجاة و الملك كان الوحي الیہ کالوحي الی سائر الانبياء و قال مجاہد و قتادہ اوحی الله الیہ ونباہ و ہوا فی الجب (۸۸) حسن کے بقول حضرت یوسف کو ہونے والے وحی دوسرے انبیاء کی وحی کی طرح ہے جبکہ مجاہد اور قتادہ نے اسے باخبر دینے اور آگاہ کرنے کے معنی میں لیا ہے علامہ طباطبائی نے بھی اسے وحی نبوی قرار دیا ہے (۸۹) جبکہ جعفر سبحانی نے اسے الہام رحمانی کے معنی میں لیا ہے (۹۰) جنہوں نے الہام کے معنی میں لیا ہے ان کی نظر میں چونکہ اس وقت حضرت یوسف کو نبوت نہیں ملی تھی اس لیے یہ وحی اصطلاحی نہیں ہے بلکہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوئی ہے چنانچہ دونوں صورتوں میں یہ لفظ اپنی حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے

مجموعی طور پر ان آیات میں دو مقام کے سوا دیگر موارد میں لفظ وحی اپنے لغوی اور حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے ان آیات سے یہ بھی نتیجہ نکلا ہے کہ تین مقامات حضرت زکریا کی اپنی قوم کی وحی شیاطین کی آپس میں وحی اور اپنے دوستوں کو وحی کے علاوہ باقی تمام موارد میں وحی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے

دوسری طرف وحی کو لینے والے آسمان زمین شہد کی مکھی صالح انسان فرشتے اور انبیاء ہیں گذشتہ تمام مطالب کی روشنی میں ہم یہ کہتے ہیں کہ وحی کا ایک ہی معنی ہے اور قرآن میں بھی وہی ایک معنی استعمال

ہوا ہے البتہ وحی کے متعلقات اور مصادیق مختلف بینان مصادیق میں وحی کے استعمال کا ایک معیار اور قدر مشترک ہے اور وہ ”سریع“ مخفی القاء اور تفہیم ہے

حوالہ جات:

- ۱۔ تفلسی ابوالفضل ابو حیش بن ابراہیم وجوہ القرآن انتشارات حکمت قم، ص ۳۰۵
- ۲۔ فخرالدین رازی محمد بن عمر بن حسن، مفاتیح الغیب فی تفسیر القرآن المعروف بالتفسیر الکبیر، دارالحياء التراث العربی، بیروت ج ۸، ص ۴۸
- ۳۔ سبحانی جعفر منشور جاوید، ج ۱۰، ص ۷۹۹۵، انتشارات توحید قم ج ۱۰، ص ۷۹۹۵
- ۴۔ معرفت محمد بادی التمهید فی علوم القرآن: مؤسسہ النثر الاسلامی ج ۱، ص ۲۷۲۹
- ۵۔ رامیار محمود ڈاکٹر، تاریخ قرآن: مصباح قرآن ٹرسٹ، لاہور، ص ۸۹۹۰
- ۶۔ معرفت محمد بادی التمهید فی علوم القرآن مؤسسہ النثر الاسلامی ج ۱، ص ۲۹، ۳۰، وہ لکھتے ہیں: الوحی الرسالی معنی رابع استعملہ القرآن فی اکثر من سبعین موضعاً
- ۷۔ مصباح یزدی محمد تقی قرآنی معارف، سازمان تبلیغات اسلامی، تہران ج ۱، ص ۶۵ وہ لکھتے ہیں کلمہ وحی اور اس کے مشتقات نزول قرآن سے متعلق تقریباً چالیس موارد میں استعمال ہونے بینمثال کے طور پر شوریٰ ۷، بنی اسرائیل ۳۹
- ۸۔ سورہ مریم آیت ۱۱
- ۹۔ راغب الاصفہانی: معجم المفردات الفاظ القرآن، دارالفکر للطباعة دارالنشر والتوزیع، بیروت ص ۵۱۵
- ۱۰۔ الطبری ابو علی الفضل بن الحسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن مکتبہ العلمیہ الاسلامیہ، ج ۳، ص ۳۷۱
- ۱۱۔ الطبری ابو علی الفضل بن الحسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، مکتبہ العلمیہ الاسلامیہ، ج ۳، ص ۵۰۵
- ۱۲۔ الزمخشری محمود بن عمر، الکشاف: دارالکتب العربیہ بیروت ج ۳، ص ۷
- ۱۳۔ الزمخشری محمود بن عمر، الکشاف: دارالکتب العربیہ بیروت ج ۲، ص ۵۰۵
- ۱۴۔ الطوسی، ابو جعفر محمد بن الحسن: التبیان فی تفسیر القرآن
- ۱۵۔ ابن منظور محمد بن مکرم جمال الدین ابو الفضل: لسان العرب، مادہ وحی، نشر ادب الحوزة قم
- ۱۶۔ صحیح البخاری بشرح الکرمانی، الجزء الاول، ص ۱۴
- ۱۷۔ الطبری ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن: دارلمعارف مصر، ج ۶، ص ۴۰۶، ۴۰۵
- ۱۸۔ (۱)۔ رشید رضا محمد: تفسیر المنار دارالمعرفة بیروت، ج ۶، ص ۶۸، ۶۷
- (۲)۔ طباطبائی محمد حسن المیزان فی تفسیر القرآن: دارالکتب الاسلامیہ تہران، ج ۱۲، ص ۳۱۲
- ۱۹۔ سورہ مریم آیت ۱۰
- ۲۰۔ سورہ آل عمران، آیت ۴۱
- ۲۱۔ سورہ نحل، آیت ۶۸۔ ۶۹
- ۲۲۔ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر: جامع البیان عن التاویل آی القرآن: ج ۶، ص ۴۰۶، ۴۰۵
- ۲۳۔ الکشاف، ج ۲، ص ۵۰۵
- ۲۴۔ الطبری ابو علی الفضل بن الحسن، مجمع البیان ج ۳، ص ۳۷۱
- ۲۵۔ الطبری ابو علی الفضل بن الحسن: مجمع البیان ج ۶، ص ۵۷۳
- ۲۶۔ ابن قیم جوزی ابو عبدالله محمد بن ابی بکر بن ایوب: مدارج السالکین: الجزء الاول، دارالکتب الولی، بیروت، ص ۴۵
- ۲۷۔ صحیح البخاری بشرح الکرمانی، الجزء الاول ص ۱۴
- ۲۸۔ الدین رازی محمد بن عمر بن حسن: التفسیر الکبیر، ج ۸، ص ۴۸
- ۲۹۔ رشید رضا محمد: تفسیر المنار، ج ۶، ص ۶۸، ۶۷
- ۳۰۔ طباطبائی، محمد حسین: المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۲، ص ۳۱۲
- ۳۱۔ طباطبائی، محمد حسین: المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۲، ص ۲۹۲
- ۳۲۔ معرفت، محمد بادی! التمهید فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۷
- ۳۳۔ شاہ محمد کرم ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ج ۴، ص ۳۹۳، ۳۹۲
- ۳۴۔ محمود حجازی محمد: التفسیر الواضح: الجزء ۱۴، مطبقة الاستقلال الکبریٰ مصر، ص ۴۷، ج ۲
- ۳۵۔ عزة دروزة محمد، التفسیر الحدیث السور مرتبة حسب النزول: دارالحياء العربیة، ج ۶، ص ۸۰
- ۳۶۔ افغانی، شمس الحق، علوم القرآن مکتبہ الحسنلابور
- ۳۷۔ رامیار، محمود ڈاکٹر، تاریخ قرآن ترجمہ انوار بلگرامی، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور، ص ۸۹، ۹۰
- ۳۸۔ جعفر سبحانی، منشور جاوید: مؤسسہ امام صادق ۱۳۷۰ھ ش، ج ۱۰، ص ۸۶
- ۳۹۔ سعیدی روشن محمد باقر، تحلیل وحی از دیدگاه اسلام و مسیحیت مؤسسہ فرہنگی اندیشہ ص ۱۳
- ۴۰۔ سورہ طہ آیات ۳۸۳۹
- ۴۱۔ قصص، آیت ۷
- ۴۲۔ معرفت، محمد بادی التمهید فی علوم القرآن ج ۱، ص ۲۹
- ۴۳۔ انرمختری محمود بن عمر، الکشاف
- ۴۴۔ ابن قیم جوزی ابو عبدالله محمد بن ابی بکر بن ایوب، مدارج السالکین، الجزء الاول، ص ۴۵

٤٥. { OL 5 } {رشيد رضا محمد، تفسير المنار: ج٦، ص٦٧٦٨}
٤٦. شاه محمد كرم ،ضيا القرآن، ج٤، ص٣٩٣، ٣٩٢
٤٧. جعفر سبحانى ،منشور جاويد، ج١٠، ص٨٩
٤٨. راميار، محمود ڈاكتر، تاريخ قرآن، ص٩٠
٤٩. سورة مائده، آيت ١١١
٥٠. حواله: پرويز غلام احمد، لغات القرآن، اداره طلوع اسلام ،لاهور، ص١٦٩١
٥١. حواله: پرويز غلام احمد: لغات القرآن، اداره طلوع اسلام ،لاهور، ص١٦٩١
٥٢. راغب الاصفهاني، معجم مفردات الفاظ القرآن، ص٥٥٦
٥٣. جامع البيان من تاويل آي القرآن، ج٩، ص٢١٧٢١٨
٥٤. الكشاف ج، ص
٥٥. مدارج السالكين، الجز الاول ص٤٥
٥٦. منشور جاويد، ج١٠، ص٨٩
٥٧. التفسير الواضح ،ج٢٨، ص٩٠
٥٨. تاريخ قرآن ص٩٠
٥٩. اصلاحي امين احسن: تدبير قرآن، دار الاشاعة الاسلاميه، لاهور، ج٢، ص٣٧٩
٦٠. تحليل وحى ازديد گاه اسلام و مسيحيت، ١٤
٦١. انعام ١٢١
٦٢. انعام ١١٢
٦٣. جامع البيان عن تاويل آي القرآن: ج٦، ص٤٠٦، ٤٠٥
٦٤. مجمع البيان، ج٢، ص٣٥٨
٦٥. مجمع البيان، ج٢، ص٥٤٥
٦٦. الكشاف، ج٤٧، ص٢
٦٧. التفسير الكبير: ج٨، ص٤٨
٦٨. منشور جاويد: ج١٠، ص٩٠، ٩١
٦٩. تفسير الميزان، ج١٢، ص٣١٢
٧٠. التمهيد في علوم القرآن، ج١
٧١. ضياء القرآن ،ج٤، ص٣٩٢، ٣٩٣
٧٢. تحليل وحى ازديد گاه اسلام و مسيحيت ص١٤
٧٣. سورة الناس
٧٤. خم سجده، آيت ١٢
٧٥. سورة زلزال آيات، ٤٥
٧٦. السيوطي جلال الدين عبدالرحمن ابن ابى بكر: " الدر المنثور في التفسير بالمأثور"، ج٦، ص٣٨٠
٧٧. تفسير الميزان، ج١٧، ص٣٩١٣٩٢
٧٨. آلوسى ،ابوالفضل شهاب الدين السيد محمود: روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، دار الاحياء التراث العربى، بيروت، ج٢٤، ص١٠٣
٧٩. التبيان في تفسير القرآن: ج٩، ص١١٠
٨٠. منشور جاويد، ج١٠، ص٨٣، ٨٥
٨١. تاريخ قرآن: ص٨٩، ٩٠
٨٢. التمهيد في علوم القرآن: ج١، ص٢٧، ٢٨
٨٣. پرويز غلام احمد لغات القرآن، اداره طلوع اسلام، لاهور، ص١٦٩٢
٨٤. تحليل وحى ازديد گاه اسلام و مسيحيت، ص١٢
٨٥. انفال ١٢
٨٦. منشور جاويد: ج١٠، ص٩٠
٨٧. يوسف، ١٥
٨٨. مجمع البيان في تفسير القرآن : ج٥، ص٣٣٢
٨٩. الميزان في تفسير القرآن : ج١١، ص١٠٠
٩٠. منشور جاويد : ج١٠، ص٩٠

وحی کی حقیقت اور اہمیت

باب دوم

وحی کی ضرورت

ضرورت وحی:

وحی نبی نوع انسان کے لیے میداہستی اور خالق کائنات کی ہدایت کا ایک ذریعہ اور علم معرفت کا ایک اہم ترین منبع ہے وحی کا عقیدہ اور تصور انبیاء کے حوالے سے قدیم الایام سے انسانی معاشروں میں موجود رہا ہے وحی اور نبوت کا آپس میں گہرا ربط ہے اور یہ دونوں مفاہیم آپس میں لازم و ملزوم ہیں وحی کے حاملین کو انبیاء کہا جاتا ہے خود لفظ نبی میں وحی کے ساتھ اس کا تلازم موجود ہے کیونکہ نبی کا لفظی معنی ”خبر دینے والا“ ہے (۱) اور یہاں خبر دینے سے مراد حواس انسانی سے ماوراء دنیا سے اس دنیا کی خبر دینا یہ اسے ہی ایک خاص پیرائے میں وحی کہتے ہیں وحی کا عقیدہ کلی طور پر تمام آسمانی ادیان میں قدر میں مشترک ہے (۲) البتہ اس کے مفہوم اور حدود وغیرہ میں اختلاف پایا جاتا ہے وحی پر ایمان کے اس تاریخی سفر میں ایک دور یہ آیا کہ مغربی مفکرین کے ایک گروہ نے وحی کا انکار کر دیا یہ وہ دور تھا جب مغرب میں سائنسی علوم کی ابتداء ہو رہی تھی اور ہر چیز کو تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا اس بارے میں دائرۃ المعارف القرآن الربع عشر کے مصنف لکھتے ہیں

”کا ان الغر بیون الی القرن السادس عشر کجمع الامم المتدینة یقولون بالوحی لان کتیبهم مشحونة باخبار الانبیاء فلما جاء العلم الجدید بشکوکہ ومادیا ته ذہبت الفلسفة الغربیة الی ان مسالة الوحی من بقایا الخرافات القدیمہ، وتقاتلت حتی انکرت الخالق والروح معاو عللت ماورد عن الوحی فی الکتب القدیمہ بانہ اما اختلاق من المتنبیة انفسهم لجذب الناس الیہم، وتسخیر ہم لمشیئتهم، واما الی ہذیان مرصی یعتبری بعض العصبیین فیخیل الیہم انہم یرون اشبا حاتکلبہم و ہم لایرون فی الواقع شیئاً (۳)

مغربی مفکرین دیگر اقوام کی طرح سولہویں صدی تک وحی پر ایمان رکھتے تھے کیونکہ اس کی کتب انبیاء کے واقعات اور خبروں سے بھی پڑی تھیں جب علوم جدید اور سائنس کی ابتداء ہوئی اور تمام مسائل کو مادی نگاہ سے دیکھا جانے لگاتو مغرب کے فلاسفہ نے وحی کا سرے سے ہی انکار کر دیا اور اسے خرافات اور پرانی داستانوں سے تعبیر کیا اور اس کے نتیجے میں خدا، روح، عالم ماوراء مادہ کے بھی منکر ہو گئے اور یہاں تک کہ وحی پر اگندہ خیالات کا مجموعہ یا اعصابی بیماری کا حاصل تھی وہ یہ گمان کرتے کہ کچھ شکلیں ان سے گفتگو کر رہی ہے حالانکہ حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا تھا

اس سے ہمارے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم وحی کی ضرورت پر تفصیل سے بحث کریں اس مقام پر یہ امر انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ ضرورت وحی پر ہم عقلی دلائل کے روشنی میں بحث کریں کیونکہ نقلی دلائل سے بحث کرنا بے سود اور نامعقول ہے کیونکہ جس چیز کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اسے اسی ذریعے ثابت کیا جائے تو یہ محال ہے منطق کی اصطلاح میں اسے دور کہتے ہیں اور یہ محال ہوتا ہے

دلیل اول:

وجود خدا کے بعد مذہب کا دوسرا اہم عقیدہ وحی نبوت ہے توحید پر ایمان، باقی عقائد کی بنیاد اور اس اساس ہے اسلامی آئیڈیولوجی کا مرکزی نقطہ اور اصلی محور توحید ہے اس مطلب کا امیر المومنین علی بن ابی طالب نے یوں بیان فرمایا ہے اول الدین معرفتہ (۱)

دین کی ابتداء اس کی معرفت ہے

لہذا وحی کی ضرورت پر ادلہ پیش کرتے ہوئے اپنی اس دلیل کا پائیدہ توحید اور خدا شناسی کو قرار دیتے ہیں وحی کی ضرورت کو ثابت کرنے کے لیے خدا پر ایمان اور اس کی معرفت ہی ہمارے اسناد لال کی بنیاد ہے توحید پر ایمان لانے کا ایک لازمی نتیجہ وحی و نبوت پر ایمان ہے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے مکتب اسلام کی عظیم ہستی علی بن ابی طالب کا قول نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے حسن بن علی کو مخاطب کر کے کہا تھا

واعلم یا نبی انہ کان لربیک شریک لا تتک رسلا ولرایت آثار ملکہ و سلطانہ ولعرفت افعالہ وصفاتہ ولکنہ الہ واحد کم وصف نفسہ لا یضادہ فی ملکہ احد (۲) ”اے میرے بیٹے جان لو کہ اگر تمہارے پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو اس کی طرف

سے بھی رسول آتے تم اس کی حکومت سلطنت اور افعال کا مشاہدہ کرتے لیکن وہ تو یکتا و یگانہ معبود ہے جیسا کہ اس نے خود اپنی توصیف کی ہے کہ ملک صرف اسی کا ہے اور کی سلطنت میں اس کا مد مقابل کوئی نہیں ہے ہمارے مورد نظر پہلا جملہ ہے جس میں رسولوں کو نہ بھیجنے کو خدا کی واحدیت کی دلیل قرار دیا گیا اس کے برعکس اگر دیکھیں تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وجود خدا کا لازمہ سلسلہ نبوت ہے منطق ی اصطلاح میں اسے قیاس استثنای کہتے ہیں جس میں مقدم اور تالی میں تلازم برقرار ہوتا ہے اور تالی کی نفی سے مقدم کی نفی ثابت ہو جاتی ہے اس میں ملازمہ یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا خدا ہوتا تو وہ اپنے رسول بھیجتا اور وحی نازل کرتا یعنی وحی اور ارسال پیامبران اور انسانی ہدایت کے لیے مخصوص افراد کو مبعوث کرنا وجود خدا اور اس کی خدائی کا لازمہ ہے

دوسری صدی ہجری کے عظیم دانشور اور بلند پایہ فقہی امام جعفر صادق نے وحی و نبوت کی ضرورت پر مذکورہ استدلالی روش اختیار کی ہے ان کے ایک شاگرد ہشام بن حکم بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک زندیق نے امام سے سوال کیا کہ آپ انبیاء اور رسل کو کس دلیل سے ثابت کرتے ہیں انہوں نے جواب میں فرمایا

ان لما اثبتنا ان خالفا صا نعا متعالیا عنا و عن جمیع ماخلق وکان ذلک الصانع حکیم متعالیا لم یجز ان یشاہدہ خلقہ ،ولایلا مسوہ فیباشرہم ویبأ شروہ ویحاجہم ویحاجوہ ثبت ان لہ سفراء فی خلقہ یعبرون عنہ الی خلقہ و عبادہ ویدلونہم علی مصالحہم ومنا فعیہم ومابہ بقاؤہم فثبت الامر والناہون عن الحکیم العلیم فی خلقہ والمعبرون عنہ عزو جل و ہم الانبیاء وصفوتہ من خلقہ الخ(۳)

وحی و نبوت کے اثبات کے لیے ایک عقلی استدلال ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ہم نے ثابت کر دیا کہ ہمارا خالق اور صانع ہے جو ہم سے اور دیگر تمام مخلوقات سے عالی و برتر ہے اور یہ صانع صاحب حکمت اور بلند بالا ہے اس کی مخلوق اسے مشاہدہ نہیں کر سکتی اور ہم ان حواس و ادراکات کے ذریعے اس سے رابطہ نہیں کر سکتے پس ضروری ہے کہ اس کی مخلوق میں اس کے نمائندے اور سفیر ہونے چاہیں جو انسانوں کے منافع اور مصالح کی طرف ان کی راہنمائی کریں اور جس میں انسانوں کی بقاء ہے اور جس میں ان کی ہلاکت ہے اس سے وہ آگا کرینچونکہ وہ حکیم اور علیم ہے وہ ہماری احتیاج اور ہدایت و راہنمائی کی ضرورت کو جانتا ہے لہذا لازم ہے کہ وہ اپنے نمائندگان یعنی انبیاء اور رسل کو و مبعوث کرے اگر ایسا نہ ہو تو یہ اس کی حکمت و دانائی کے خلاف ہے

اس دلیل سے جہاں انبیاء کی بعثت ثابت ہوتی ہے وہاں انبیاء کی عظمت اور بزرگی بھی ثابت ہوتی ہے انبیاء خداوند متعال کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں اور دوسری جہت میں وہ انسانوں سے رابطہ رکھتے ہیں ان کا خدا سے بذریعہ وحی ارتباط ہوتا ہے پس خدا اور اس کے بندوں کے درمیان وحی کا رابطہ ضروری اور لازمی ہے

گیارہویں صدی ہجری کے بلند پایہ فیلسوف ملا عبدالرزاق لاہچی نے مذکورہ روایت کے ذریعے وحی و نبوت کی ضرورت پر دلیل قائم کی ہے اور آخر میں اپنی رائے کا یوں اظہار کیا ہے

”باہد دانست کہ این کلام شریف بااین وجازت، مشتمل است بر خلاصہ افکار و انظار حکمای سابقین و علما لاحقین، بلکہ اشارہ است بہ حقایقی کہ غایت فکر و نظر اکثر متکلمین بہ آن نرسیدہ و اگر فلا سفہ اقدمین را استماع این کلام مقدس ممکن می شد ہر آینہ اقرار می نمودند نہ معجز بودن این کلام قدسی نظام کہ جان تشنہ داند قیمت آب(۴)

معلوم ہونا چاہیے کہ مذکورہ کلام مختصر ہونے کے باوجود فلاسفہ سابقین اور علماء لاحقین کے افکار و نظریات کا نچوڑ ہے بلکہ اس میں ان حقائق کی طرف اشارہ ہے جن پر اکثر متکلمین کی فکر و نظر نہیں پہنچ سکی اگر قدیمی ترین فلاسفہ کے لیے یہ کلام سننا ممکن ہوتا تو وہ ضرور اس بیان کے معجز ہونے کا اقرار کرتے کیونکہ پانی کی قدر پیاسابی جانتا ہے قدماء کے علاوہ معاصر علماء نے بھی اس موضوع پر قلم فرسائی کی ہے، مفکر اسلامی مرتضیٰ مطہری نے توحید کو بنیاد بنا کر وحی پر اس طرح دلیل پیش کی ہے

”ہر چیزی نقطہ شروع و پایہ و اساسی دارد و ہنگامی بہ صورت سازمانی محکم و پابرجا و مفید درمی آید کہ از ہمان نقطہ آغاز شدہ باشد و بر روی ہمان پایہ قرار گرفتہ باشد دین ہم کہ سازمانی وسیع فکری و اعتقادی و اخلاقی و عملی است یک نقطہ شروع و یک رکن اساسی دارد کہ اگر از نقطہ آغاز شورد و بر روی آن اساس بنا شود، محکم و پابرجا و مفید خواہد شد، آن نقطہ شروع و آن پایہ اساسی، معرفت ذات اقدس الہ و شناساسی حضرت احدیث است مثلا عقیدہ اصل نبوت و عقیدہ اصل معاداز جملہ عقائد اصلی و ضروری دین است، این دو اصل بہ منزلہ شاخہ های ہستند کہ بر روی این تنہ قرار گرفتہ اند، یعنی چون اصل توحید اصلی است ثابت، و چون ”جہاں راصاحبی باشد خدانام“، و آن صاحب جہاں راتد بیرمی کند و موجودات را بہ سوی کمالاتشان سوق می دہد و ہدایت می کند و از طرفی بشر در زندگی فردی و اجتماعی خود احتیاج دارد بہ یک نوع ہدایت و

راہنمائی مخصوص کہ آن را ”ہدیت وحی والہام“ می نامیم، پس در مجموع زندگانی بشر نقطہ ہا و روز نہ ہا و دریچہ ہا بشر ہدایت و راہنمائی می شود، آن روز نہ ہا و دریچہ ہا عبارت است از روحہای مستعد و قلبہای منزہ و صافی یک عدہ از افراد بشر کہ بہ نام ”انبیاء“ و ”پیغمبران“ نامیدہ می شود (۵)

ان کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک نقطہ آغاز اور اساس ہوتی ہے وہ چیز اس وقت مستحکم، مضبوط اور مفید نظام کی صورت میں آتی ہے جب وہ اس اساس پر قائم ہوا اور اپنے بنیادی نقطے سے شروع ہواسی طرح دین جو کہ ایک وسیع نظریاتی، فکری، اخلاقی اور عملی نظام پر مشتمل ہے اس کا بھی نقطہ آغاز اور بنیادی ستون ہے اور وہ توحید ہے دین میں وحی و نبوت اور قیامت دو اہم اصول ہیں یہ دونوں اصول توحید کے بنیادی ستون پر استوار ہیں (اصل استدلال یہاں سے شروع ہوتا ہے)

چونکہ توحید دین کی اساس ہے اور اس جہان کا خالق خدا ہے وہی اس جہان کی تدبیر کرتا اور چلاتا ہے اور موجودات عالم کو ان کے کمالات کی طرف روانہ کرتا ہے ان کی ہدایت و راہنمائی کرتا ہے دوسری جانب خود انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک خاص ہدایت کا محتاج ہے اس مخصوص ہدایت کو ”وحی والہام“ کا نام دیا جاتا ہے پس اسے اس جہان کے تدبیر کرنے والے یعنی رب کی طرف سے ہدایت اور راہنمائی ملنی چاہیے اس کا انتظام خود پروردگار عالم کی طرف سے ہونا چاہیے

عصر حاضر کے ایک اور جید عالم مفتی محمد شفیع نے اپنی تفسیر معارف القرآن کے مقدمے میں وحی کی ضرورت پر گفتگو کی ہے اور انہوں نے بھی اپنے استدلال کو توحید کی بنیاد پر استوار کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں جو شخص (معاذ اللہ) خدا کے وجود ہی کا قائل نہ ہو اس سے تو وحی کے مسئلے پر بات کرنا بالکل بے سود ہے، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت کا ملہ پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے وحی کی عقلی ضرورت اس کے امکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادر مطلق نے پیدا کی ہے وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمت بالغہ سے چلا رہا ہے، اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت بھیجا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو اور اسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمے کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزل مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصد زندگی کو حاصل کر سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیج دے اور اسے نہ چلتے وقت سفر کا مقصد بتائے اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعہ اس پر یہ واضع کرے کہ اسے کس کام کے لیے بھیجا گیا ہے اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہو گی؟ جب ایک معمولی عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تو آخر اس خداوند قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جاسکتا ہے جس کی حکمت بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے؟ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر القول نظام پیدا کیا ہو وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے جس کے ذریعے انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایات دی جاسکیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے بس راہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی رسالت ہے

اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ وحی محض ایک دینی اعتقاد ہی نہیں بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے (۶)

ایک مغربی دانشور ایڈنگٹن اس موضوع پر اظہار نظر کرتا ہے

اصل سوال خدا کی ہستی کا نہیں بلکہ اس امر کا یقین ہے کہ خدا بذریعہ وحی انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے (۷) اس بات کی ہم یوں تشریح کرتے ہیں غور سے دیکھنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہماری زندگی سے اس سوال کا تعلق کیا ہے خدا ہے یا نہیں؟ خدا کے ہونے یا نہ ہونے میں کیا فرق ہے البتہ یہ بات اپنے مقام پر سچ ہے کہ خدا کی ہستی کا اقرار کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اور صداقت کا اقرار ہے لیکن پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اقرار کا فائدہ کیا ہے؟ جب تک یہ اقرار انسان کی ہدایت کے لیے خدا کی ہستی کو سرچشمہ قرار نہ دے اس کا چندان فائدہ نہیں جب یہ ہماری راہنمائی اس طرف کرے کہ انسان کی ہدایت کا سرچشمہ ذات الہی ہے تو یہ مفید ہے کیوں کہ اصل سوال انسان کی ہدایت کا ہے لہذا خدا کے وجود کو تسلیم کرنے کے بعد ہدایت و راہنمائی کا سرچشمہ بھی اسی ذات اقدس کا قرار دینا ہو گا اسی ہدایت کو وحی کہا جاتا ہے

ایک معاصر دانشور ایڈنگٹن کی تائید میں لکھتے ہیں

ایڈنگٹن ٹھیک کہتا ہے کہ اصل سوال خدا کی ہستی کا نہیں بلکہ خدا کی طرف سے راہنمائی ملنے کا ہے اگر ایک شخص خدا کی ہستی کا قائل ہے (جیسے کہ مغرب کے بہت سے مفکر قائل ہیں) لیکن انسانی زندگی میں اگر کوئی خدا کی راہنمائی کا قائل نہیں تو اس کا خدا پر ایمان کچھ معنی نہیں رکھتا خدا پر ایمان اس کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی پر ایمان ہے (۸) مجموعی طور پر مذکورہ استدلال پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ وجود باری تعالیٰ پر ایمان لانے سے سلسلہ وحی پر ایمان لانا لازم نہیں آتا کیوں کہ ممکن ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہوں لیکن وحی و نبوت کے سلسلے کی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتے ہوں بلکہ ہدایت کے لیے عقل، ضمیر، وجدان اور فطرت کی راہنمائی کو کافی سمجھتے ہوں اور جبکہ یہ تمام ذرائع بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں

اس اعتراض کا جواب دینے سے پہلے ہم ایک اور سوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا عقل اس قابل ہے کہ وہ زندگی کے تمام میدانوں میں بالخصوص اخلاقی اور روحانی لحاظ سے انسان کی راہنمائی کر سکے انسان کی معرفت اور شناخت کا نہایت اہم ذریعہ عقل ہے اور اسی جوہر عقل کی بنا پر انسان اشرف المخلوقات ٹھہرا ہے انسان کے لیے علم کا پہلا ذریعہ حواس خمسہ ہیں جن کے ذریعے سے انسان بیرونی دنیا سے مربوط رہتا ہے اور انہی حواس کے ذریعے معلومات حاصل کرتا ہے حواس کے ذریعے حاصل کی گئی معلومات جزئی ہوتی ہیں عقل انسانی ان معلومات کا تجزیہ و تحلیل کرتی ہے اور ان سے کلی اصول اخذ کرتی ہے انسانی معاشرے کی ترقی اور ارتقاء میں انسانی فکرو عقل کا کردار نہایت اہم ہے اور دنیا آج جس مقام تک آن پہنچی ہے وہ اسی فکرو عقل کی بدولت ہے لیکن ان تمام تر خوبیوں کے باوجود اس کا دائرہ محدود ہے بعض مسائل ایسے ہیں جو اس کی قلم و قدرت سے باہر ہیں فکر جدید نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ عقل انسانی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ حقیقت کا ادراک کر سکے یا حقیقت کے متعلق صحیح علم دے سکے

برگسٹن (BERGSON) اپنی کتاب کے مقدمے میں لکھتا ہے ہماری فکر اس قابل نہیں کہ وہ زندگی کی حقیقت کو ہمارے سامنے لا سکے یا زندگی کی ارتقائی حرکت کا صحیح اور پورا پورا مفہوم پیش کر سکے (۹) آگے چل کر برگسٹن کہتا ہے

انسانی فکر کی خصوصیت یہ ہے کہ زندگی کا احاطہ کرنے کے لیے فطری طور پر ناقابل ہے (۱۰) عقل انسانی کسی معاملے کے متعلق بھی آخری دلیل، مکمل شہادت اور منطقی یقین بہم نہیں پہنچا سکتا انسانی عقل قطعی یقین تک پہنچانے کے لیے ناقابل ہے (۱۱)

عقل کی محدودیت کے متعلق یہ ایک انتہائی درجے کی رائے ہے ہماری رائے یہ ہے کہ عقل یقین کے درجے تک پہنچ سکتی ہے مگر وحی کی روشنی میں جس طرح انسانی آنکھ خارجی روشنی کی محتاج ہے اس کے بغیر کچھ بھی نہیں دیکھ سکتی اس طرح انسانی عقل وحی کی روشنی کے بغیر یقین کے درجے تک نہیں پہنچ سکتی مغربی فلاسفر شیئن (Sheen) اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں

Just as our senses work better when perfected by reason, so too our reason works better when perfected by faith A man temporarily devoid of reason as a drunkard, has the same senses that he had before, but they do not function as they did when he was under rational direction
agovernment, what the senses are without reason, reason is with out faith

”جس طرح ہمارے حواس اس وقت بہتر کام کرتے ہیں جب ان کی تکمیل عقل کے ذریعے سے ہو جائے اسی طرح ہماری عقل اس وقت بہتر کام کر سکتی ہے جب اس کی تکمیل ایمان (وحی) کے ذریعے ہو جائے جو آدمی عارضی طور پر عقل سے عاری ہو جائے جیسے شرابی، اس کے حواس وہی ہوتے ہیں جو پہلے تھے لیکن اس وقت وہ کبھی اپنے فرائض کی اس طرح سرانجام دے سکتے جس طرح عقل و ہوش کی حالت میں سرانجام دیتے ہیں، جو حالت عقل کے بغیر حواس کی ہوتی ہے وہی کیفیت ایمان (وحی) کے بغیر عقل کی ہوتی ہے“

اس بیان سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تنہا عقل ہماری راہنمائی نہیں کر سکتی مغرب کے دانشور برگسٹن (BERGSON) یہاں تک کہتا ہے کہ عقل تنہا ہمیں کسی اور سمت لے جاتی ہے اس لیے کہ عقل کامنصب انسان کو اس کی منزل انسانیت تک پہنچانا نہیں اس کا فریضہ انسانی زندگی کا تحفظ ہے خواہ وہ کسی طریق سے ہو چنانچہ وہ کہتا ہے انسان تنہا عقل کی روشنی میں صحیح راہ پر چل نہیں سکتا عقل اسے کسی دوسرے راستے پر ڈال دے گی عقل ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے جب ہم اس مقصد سے بلند مقاصد کی طرف لے جانا چاہتے ہیں تو وہ اس بلند سطح کے

متعلق ممکنات کا سراغ دے سکے تو شاید ورنہ وہ حقیقت کا پتہ تو کسی صورت میں دے ہی نہیں سکتی (۱۳)

Out of my later years) بیسویں صدی کے عظیم سائنسدان اور دانشور پروفیسر آئن سٹائن نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام (SCIENCE AND RELIGION) میں وہ لکھتے ہیں

its domain value for science can only ascertain what is, but not what should be, and out side of judgments of all kinds remain necessary Religion, no the other hand deals only with evaluations of human thought and action

on the other hand representative of science have often made an attempt to arrive at fundamental judgments with respect to values and ends on the basis of scientific method, and in this way have (set themselves in opposition to religion) (14)

سائنس صرف یہ بتا سکتی ہے کہ ”کیا ہے“ لیکن کیا ہونا چاہیے وہ یہ نہیں بتا سکتی اس لیے اقدار کی قیمت متعین کرنا اس کے دائرے سے باہر ہے اس کے برعکس مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ انسانی فکر و عمل کی قیمت متعین کرے سائنس کے علمبرداروں نے اکثر اوقات اس امر کی کوشش کی ہے کہ وہ سائنس کی رو سے اقدار کے متعلق قطعی فیصلہ نافذ کر دینا اس طرح وہ مذہب کے خلاف محاذ قائم کر کے بیٹھ جاتے ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سائنس کا اپنا دائرہ عمل ہے اور وہ محدود ہے انسانی فکر و عمل کی راہیں متعین کرنا مذہب کا کام ہے جو وحی کے راستے سے اس علم کو حاصل کرتا ہے عقل کے حوالے سے ایک اور بات اہم ہے کہ عقل کا طریقہ تجرباتی ہوتا ہے عقلی طریقہ یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو اختیار کرتا ہے اس پر مدتوں محنت کرتا ہے اور آخر الامر دیکھتا ہے اس کا تجربہ ناکام رہا ہے وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے اور ایک مدت تا اس راہ پر چلتا ہے اسے اس وقت کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ راستہ اسے منزل مقصود کی طرف لے جائے گا یا ہلاکت کے غاروں میں دھکیل دے گا اس راستے کے آخری نقطہ تک پہنچنے سے پہلے اس حقیقت کا معلوم کر لینا اس کے بس کی بات نہیں لہذا وہ ہر اس راستے پر جو اس کے سامنے آتا ہے چل نکلتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ راستہ اسے صحیح مقام تک لے جاتا ہے لیکن اکثر ہوتا ہے کہ اتنے لمبے سفر کے بعد اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستہ تو کسی اور طرف جارہا ہے یہ ہیں وہ مقامات جہاں انسانی عقل تھک کر بیٹھ جاتی ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا انسانی فکر کو اس تجرباتی طریقہ پر چھوڑ دیا جائے یا اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ بھی ہے جس سے انسانیت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے ہاں انسان کی راہنمائی کے لیے ایک اور راستہ بھی ہے اور وہ وحی کا راستہ ہے

ایک مغربی دانشور کی بات کا یہ مفہوم ہے کہ مذہب کی بنیاد صرف وحی پر ہو سکتی ہے وہ لکھتا ہے اگر وحی کا تصور نہ ہو تو مذہب ہی باقی نہیں رہتا اور مذہب میں کوئی نہ کوئی عنصر تو ایسا ضرور ہوتا ہے جو عام فکر انسانی کے احاطہ علم سے باہر ہوتا ہے اس لیے اگر یہ کوشش کی جائے کہ جن باتوں کو انسانی عقل اچھا سمجھتی ہے انہیں ایک جگہ اکٹھا کر کے اس مجموعہ کا نام مذہب رکھ لیا جائے تو اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہو گا ایسی کوششوں کا نتیجہ مذہب نہیں بلکہ ایک فلسفہ زبوں ہو گا (۱۵)

اس بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے عقل کا فی نہیں ہے اس کی حدود متعین ہیں جب طبیعات میں عقل مکمل راہنمائی نہیں کرتی تو ظاہر ہے کہ مابعد الطبیعات میں وہ کیسے ہماری راہنما بن سکتی ہے اور چونکہ فضائل اخلاق روحانی کمالات کا تعلق ایک بڑی حد تک حقائق مابعد الطبیعات کے تصور سے ہے اس لیے عقل اس راہ میں ہماری کامیاب اور مکمل راہنما اور بادی ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہم کلی طور پر اس پر اعتماد کر سکتے ہیں لہذا ہمیں ایک اور منبع و ہدایت کی ضرورت ہے جو وحی کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا یہ امر اپنے مقام پر انتہائی اہم ہے اور اسے ضرور ملحوظ رکھا جائے کہ جو علم وحی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ خلاف عقل نہیں ہوتا وحی کے ذریعے حاصل شدہ علم عقل سے ماوراء ہے اور خلاف عقل ہونے اور ماورائے عقل ہونے میں بہت بڑا فرق ہے جو وحی صحیح علم و بصیرت کے خلاف ہو وہ وحی نہیں ہو سکتی اس بارے میں ہمارے دور کے اسلامی مفکر جوادی آملی یہ اظہار نظر کرتے ہیں

تعارض ”عقل قطعی“ یا ”وحی قطعی“ ممکن نیست و بر فرض وقوع آن علاج پذیر نخواہد بود یعنی ہما نظوری کہ تعارض بین دو دلیل قطعی ممکن نیست و بر فرض تحقق درمان نا پذیر است و ہمچنین تعارض بین دو وحی قطعی ناممکن بود و بر فرض وقوع آن علاج ندارد تعارض بین دلیل ”عقلی قطعی“ و ”وحی قطعی“ نیز محال بود است و بر فرض آن ”درمان معارضہ منتفع خواہد بود، چون باز گشت تعارض ہر یک از دلیلیہای قطعی باخودش معارض باشد زیرا مبنی ہمہ ادلہ قطعی ہماں اصل

امتناع جمع دو نقیض است (۱۶)

ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل اور وحی کی تعلیمات اور احکامات میں تعارض اور تضاد نہیں پایا جاتا بالفرض اگر ایسا ہو تو پھر اس مشکل کا کوئی حل پیش نہیں کیا جاسکتا اور دونوں کو رد کرنا پڑے گا اور اس امر پر دلیل علم منطق کا وہ بنیادی اصول ہے کہ ”اجماع نقیضین محال ہے“

مغربی مفکرین میں سے عقل کے بارے میں برگسان کی یہ رائے کہ:

”عقل کسی صورت میں حقیقت کا پتہ نہیں دے سکتی“ (۱۷)

اور اسی طرح پروفیسر کیسیریئر (Cassier) کے یہ الفاظ کہ ”عقل اس قابل ہی نہیں کہ وہ صداقت، حکمت اور وضاحت کی طرف راہنمائی کرے“ (۱۸)

ہمارے نقطہ نظر کے مطابق درست نہیں ہے کیونکہ عقل بھی بہت سے حقائق کے ادراک کی صلاحیت رکھتی ہے اور انسان کے لیے علم و معرفت کا ایک ذریعہ ہے کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ذات باری تعالیٰ کا وجود ہے وہ اسی عقل کے ذریعے ثابت ہوا ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اور حقیقی معرفت تو بذریعہ وحی ہی حاصل ہوتی ہے اسی طرح خود ”وحی کی ضرورت“ بھی عقل کے ادراک سے پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے اگر ہم اللہ تعالیٰ کے وجود کو نقل یعنی وحی الہی یا انبیاء کے اقوال یا قرآن سے ثابت کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے کیونکہ وحی و نبوت کا مرتبہ توحید کے بعد ہے پہلے توحید ثابت ہو اور پھر وحی کی ضرورت بھی عقلی طور پر ثابت ہو اس وقت وحی و نبوت کی حجت ثابت ہو گی اگر ہم نقلی دلائل سے توحید یا ضرورت وحی کا اثبات کرنا چاہیں تو منطقی کی اصطلاح میں اسے ”دور“ کہتے ہیں اور وہ عقلاً محال ہے

اب عقل کے بارے میں اسلامی طرز تفکر کیا ہے؟ اس کا ہم جائزہ لیتے ہیں سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں انسان کے علم و معرفت کے منبع کے بارے میں قرآن مجید کی بہت سی تعبیرات ملتی ہیں جیسے: لب، فواد، قلب، روح اور نفس وغیرہ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو جس طرح قرآن مجید نے انسانی عقل کو برو کار لانے اور انسانوں کو کائنات اور خود قرآن میں غور و فکر اور تدبر کی دعوت دی ہے کسی اور الہامی کتاب میں اس کی مثال نہیں ملتی اس سے دو چیزیں روشن ہوتی ہیں ایک یہ کہ قرآن انسانی عقل کو اہمیت دیتا ہے اور معرفت کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے دوسرا یہ کہ قرآن کی باتیں اور احکامات خلاف عقل نہیں ہیں عقل ان تک پہنچ سکتی ہے اور ان کی حقانیت کا ادراک کسی سکتی ہے لہذا جب عقل قرآن میں غور و فکر اور تدبر کرے گی وہ قرآنی احکامات پر مہر تصدیق ہی ثبت کرے گی۔ نمونے کے طور پر قرآن کی چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيٰتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۱۹)

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو تمہارے لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنی عقلوں سے کام لو (اور غور و فکر کرو)

(۲) اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ اِلٰى اُولٰٓئِیۡمِ الْاَلْبَابِ (۲۰)۔

یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کے آنے جانے میں صاحبان عقل کے لیے نشانیاں ہیں۔ ایسی بہت سی آیات ہیں جن میں اس کائنات میں غور و فکر کی دعوت دی گئی اور خدا پر ایمان کو غور و فکر پر استوار کرنے کی بات کی گئی ہے۔ اس کے مقابلے میں حق و صداقت سے انکار کرنے والوں کی پہچان قرآن اس چیز سے کرتا ہے کہ یہ لوگ عقل و فہم سے کام نہیں لیتے۔

(۳) وَمَثَلُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیۡ یَنْفِقُ بِمَالٍۭا یَسْعٰۤی اِلٰیۤ اَدۡۡۤءِ وَبِنۡۡءِۤا صَمٌّۭ بُكۡمٌۭ عُمٰیۭی فَہُمۡ لَا یَعْقِلُوۡنَ۔ (۲۱)

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کی مثل تو اس شخص جیسی ہے جو ایسے (جانور) کو حلق پہاڑ کے پکارے جو آواز پکار کے سوانہ سنتا ہو۔ بہرے گونگے اندھے ہیں یہ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔

اسی طرح قرآن عقل و فکر کو استعمال نہ کرنے والوں کو بدترین خلائق قرار دیتا ہے۔

(۴) اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُكۡمُ الَّذِیۡنَ لَا یَعْقِلُوۡنَ۔ (۲۲)

یقیناً اللہ کے نزدیک بدتر حیوان وہ (انسان) ہیں جو بہرے گونگے ہو گئے ہیں وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں (غور و فکر ہی نہیں کرتے) اسلامی روایات میں عقل کا مقام:-

اسلامی روایات میں عقل و خرد کو بلند مقام دیا گیا ہے اسے دین کی اساس، عظیم نعمت بہترین دوست اور جزا کے حصول کے لیے میزان، معیار کے عنوان سے متعارف کرایا گیا ہے۔ اس بارے میں ہم وسیوں روایات میں سے صرف چند کا انتخاب کر کے پیش کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) قوام المنر عقلہ ولادین لمن لا عقل لہ (۲۳)

انسانی وجود کی بنیاد اس کی عقل ہے جس کی عقل نہیں اس کا دین نہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

(۲) ما قَسَمَ اللهُ لِلْعِبَادِ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنَ الْعَقْلِ. وَمَا آدَى الْعَبْدَ فِرَاضِ اللهِ حَتَّىٰ عَقَلَ عَنْهُ وَمَا بَلَغَ جَمِيعَ الْعَابِدِينَ فِي فَضْلِ عِبَادَتِهِمْ مَا بَلَغَ الْعَاقِلُ. (۲۴)۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں میں عقل سے بڑھ کر کوئی چیز تقسیم نہیں کی۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت نے فرمایا:

لكن شىء آله وعده وآلة المؤمن وعدته العقل وكل شىء مطية ومطية المرء العقل وكل شىء غاية العبادة العقل. (۲۵)

ہر چیز کے آلات و وسائل ہوتے ہیں اور مومن کے آلات و وسائل اس کی عقل ہے ہر چیز کی سواری ہوتی ہے اور انسان کی سواری عقل ہے اور ہر چیز کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت ہوتی ہے اور عبادت کی غرض و غایت عقل ہے۔

علی ابن ابی طالب فرماتے ہیں:

لا غنى كالعقل ولا فقر كالجهد (۲۶)

عقل سے بڑھ کر کوئی تو نگرہ اور جہالت سے بڑھ کر کوئی ناداری نہیں۔

احادیث و روایات کے علاوہ اسلامی فقہ میں عقل کیا مقام رکھتی ہے؟ اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اسلام فقہ کے چار مصادر میں سے ایک قیاس ہے اور قیاس ایک عقلی دلیل ہے۔ پس عقل احکام اسلامی کے استنباط کے لیے منبع کے طور پر موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر اور عقل کا مقام و اہمیت کیا ہو گی۔

نتیجہ بحث:

مذکورہ بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ

قرآن اور اسلام عقل کا مخالف نہیں بلکہ عقل کو ایک بلند مقام عطا کرتا ہے اور یہ امر بھی مقام پر ثابت ہے کہ عقل کا اپنا دائرہ حدود ہے اور اس کی تمام فضیلت اور افادیت اسی دائرہ کے اندر ہے اس کی حدود سے آگے اس کے لیے وحی کی ہدایت کی ضرورت ہے۔ جس طرح آنکھ کی قوت بینائی کیلئے خارجی امداد یعنی روشنی کی ضرورت ہے اندھیرے میں آنکھ بالکل نہیں دیکھ سکتی تھوڑی سی روشنی قوت بصارت کو بڑھا دیتی ہے جو جوں جوں روشنی تیز ہوتی جاتی ہے حد نگاہ وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے اسی طرح قوت فکر عقل کی حدود بھی وحی کے نور سے وسیع ہوتی جاتی ہے عقل تنہا ظن و تخمین کی وادیوں میں محو حیرت و سرگردان رہتی ہے لیکن وحی کی روشنی میں وہ یقین کے درجے پر پہنچ جاتی ہے اسی بات کو علی بن ابی طالب نے اپنے ایک خطبے میں بیان فرمایا ہے:

فَبَعَثَ فِيهِمْ رَسُولَهُ وَاتَرَ إِلَيْهِمُ الْوَعْدَ لِيَسْتَأْذِنَهُمْ مِثْلَاقِ فِطْرَتِهِ وَيَذَكِّرَهُمْ مَنْسَى نِعْمَتِهِ وَيُشِيرُ وَإِيهِمْ دَفَائِنُ الْعُقُولِ وَيُرْوَاهُمُ الْمَقْدَرَةَ (۲۷)۔

اللہ نے ان میں اپنے رسول معبود کیے اور لگاتار اپنے انبیاء بھیجے تاکہ وہ ان (انسانوں) سے فطرت کے عہد و پیمانہ پورے کر انہیں اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد لائیں۔۔۔ عقل کے دفتینوں کو ظاہر و آشکار کریں اور انہیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ صاحبان وحی کی بعثت کا ایک مقصد عقل کی تقویت اور اس کے چہرے ہوئے خزانوں کو آشکار کرنا ہے اور عقل کی حدود کو وسیع کرنا ہے۔ انبیاء الہی ان امور کو وحی کی راہنمائی میں انجام دیتے تھے لہذا ثابت ہوا کہ عقل کو بھی وحی کی ہدایت اور راہنمائی کی ضرورت ہے۔

دلیل دوم:

اس دلیل کو بیان کرنے سے پہلے چند نکات کی وضاحت اور اثبات لازمی امر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ استدلال ان نکات پر استوار ہے جب یہ مقدمات ثابت نہ ہوں تو استدلال اپنی افادیت اور حجیت کھو بیٹھتا ہے لہذا پہلے ان بنیادی نکات کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) اس کائنات اور اس کی تمام اشیاء کا بغور مطالعہ کرنے سے انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس کا ایک مقصد اور ہدف ہے اس کائنات کا ہر جز اپنی حیات کی غرض و غایت لیے ہوئے اپنی پیدائش سے اس خاص غرض کی طرف رواں دواں ہے اور اپنے مقصد کو پانے کے لیے نزدیک ترین اور مناسب ترین راہ کی تلاش میں ہے مثلاً گندم کا پودا اپنی پیدائش کے پلے دن سے ہی جب وہ مٹی سے اپنی سر سبز اور ہری بھری پتی کے ساتھ دانے سے باہر نکلتا ہے تو وہ اپنی فطرت کی متوجہ ہوتا ہے یعنی یہ کہ وہ ایک ایسا پودا ہے جس کے کئی گوشے ہیں اور وہ اپنی فطری طاقت کے ساتھ

عنصری اجزاء کو زمین اور ہوا سے خاص نسبت سے حاصل کرتا ہے اور انہیں اپنے وجود کا حصہ بناتے ہوئے دن بدن بڑھا اور پھیلتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک کامل پودا بن جاتا ہے جس کی متعدد شاخیں اور خوشے ہوتے ہیں پھر اس حالت کو پہنچ کر اپنی ترقی کو روک لیتا ہے اس کی زندگی کا مقصد پورا ہو چکا ہوتا ہے۔

ایک ام کے درخت کا بھی اگر بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ وہ بھی اپنی پیدائش کے دن سے ایک خاص مقصد اور ہدف کی طرف متوجہ یعنی وہ ایک بڑا اور تنو مند ام کا درخت ہے لہذا مقصد تک پہنچنے کے لیے اپنے خاص اور مناسب طریقے سے زندگی کی راہ کو طے کرتا ہے اور اسی طرح اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرتا ہوا اپنے انتہائی مقصد کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور اپنے کمال کو پہنچ کر پھل دینا شروع کر دیتا ہے یہ درخت گندم کے پورے کا راستہ اختیار نہیں کرتا، جیسا کہ گندم کا پودا ام کا درخت نہیں بنتا تمام کائنات اور مخلوقات اسی قانون کے تحت عمل کرتی ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ نوع انسان اس قانون اور قاعدے سے مستثنیٰ ہو لہذا انسان کی زندگی کا بھی ہدف اور مقصد ہے زندگی کا بہترین اور دائمی طریقہ وہ ہے جس کی طرف انسانی فطرت راہنمائی کرے اس کی سعادت اسی مقصد کو پانے میں ہے، اس بات کی تائید اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ہوتی ہے:

قال رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلْفَهُ ثُمَّ هَدَىٰ (۲۸)

اس نے کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز اور ہر مخلوق کو ایک خاص صورت عطا فرمائی پھر اس کی راہنمائی کی پھر فرمایا:

الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ (۲۹)

وہ جس نے پیدا کیا اور موزوں کیا اور وہ جس نے مقدار مقرر کی پھر ہدایت دی۔

پس معلوم ہوا کہ نوع انسانی بھی عمومی ہدایت کے اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے اس کی زندگی کا بھی ایک مقصد ہے فطری طور پر اس ہدف کی طرف انسان کی راہنمائی کی گئی ہے اور اسے وسائل اور ضروری قواسم لیس بھی کیا گیا ہے اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی اس کی سعادت و کمال ہے جبکہ اس کے حصول سے مایوسی بدبختی اور شقاوت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَنْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نَطْفَةٍ أََمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِنَّمَا شَاكَرَ وَإِنَّمَا كَفُرًا (۳۰)

(۲) جاندار موجودات کو ہے جان موجودات پر جو امتیاز اور برتری حاصل ہے وہ یہ ہے کہ جاندار اپنے کاموں کو ادارک اور شعور سے انجام دیتے ہیں۔ اس امتیاز میں انسان دوسرے جانداروں کے ساتھ شریک ہے تاہم اسے ایک اور امتیاز عقل و خرد کے زیور سے آراستہ ہونا بھی ہے حاصل ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر مکان پذیر عمل کو یونہی دیتا بلکہ اسے نفع و نقصان کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ وہ جو کام بھی کرتا ہے اس میں اپنی تشخیص کے مطابق عقل کے حکم کی پیروی کرتا ہے (البتہ عقل کے حکم سے ہماری مراد یہ ہے کہ عقل اس فعل کی انجام دہی یا اس کے ترک کرنے کی ضرورت کا ادراک کرے) لیکن اس کے کرنے یا ترک کرنے پر مائل کرنا درحقیقت ان جذبات و احساسات کا کام ہے جن کی بنیاد پر عقل ادراک کو انجام دیتی ہے اور کسی عمل کے خالص نفع کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

(۳) اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان ایک معاشرتی موجود ہے وہ معاشرے میں رہتا اور معاشرے کے تمام افراد اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ یا انسان اپنی طبع اولیٰ کے تحت ایسا کرتا ہے اور ابتدا ہی سے اپنے کاموں کو اجتماعی طور پر انجام دینے پر مائل ہے؟

جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان کی ذاتی طبیعت کچھ ضروریات اور احتیاجات رکھتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کے جذبات اور احساسات بھی ہوتے ہیں وہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اپنی تمام تر قوتوں اور وسائل کو بروئے کار لاتا ہے اس مرحلے پر وہ دوسرے انسانوں کی ضروریات اور خواہشات سے بے خبر ہوتا ہے۔

انسان اپنی ضرورت کی تکمیل کے لیے ہر چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے زمین اس کے مرکبات و عناصر درختوں پھلوں اور مختلف قسم کے حیوانات سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے اور ان حاصل شدہ فوائد کو اپنی ضروریات برطرف کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے یہ انسان جو ہر چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جب اپنے ہم نوع افراد سے روبرو ہوتا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ان کے احترام کے پیش نظر خلوص دل سے ان کی طرف دست تعاون دراز کر کے ان کے مفادات کی خاطر اپنے مفادات کے کچھ حصے سے دست بردار ہو جائے؟ ہر گز نہیں! انسان ایک طرف سے وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ دوسرے انسان بھی اس کی مانند قوتیں اور خواہشات رکھتے ہیں کود اس کی طرح وہ بھی اپنے مفادات کو مدنظر رکھتے ہیں اور انہیں نظر انداز نہیں کرتے یہی وہ مقام ہے جہاں وہ خود کو معاشرتی تعاون پر مجبور پاتا ہے وہ اپنی محنت اور کام کی کچھ مقدار دوسروں کو دے دیتا ہے اور اس کے بدلے میں اپنی ضروریات کے مطابق دوسروں کے کام کے نتائج سے مستفید ہونا ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ انسان اپنی طبیعت اولیٰ کی روسے اپنے مفادات کا تحفظ چاہتا ہے اس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ

دوسروں کو بھی اپنے مفادات کے لیے استعمال کرے۔ اس کا معاشرتی تعاون پر آمادہ ہونا اس کی مجبوری ہے۔ اس دعویٰ کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ جو شخص دوسروں سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے وہ لامحالہ معاشرتی تعاون پر نظر انداز کر کے دوسروں سے کام لیتا ہے اور ان کی محنت کا پھل بغیر کسی معاوضہ کے ہتھی لیتا ہے۔ ہمارا معاشرہ ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔

(۴) اگرچہ انسان دوسروں کے معاملات میں مجبوراً معاشرتی تعاون کو اپنانے پر تیار ہوا ہے اور یوں درحقیقت اس نے اپنی آزادی عمل کا کچھ حصہ باقی ماندہ کے لیے قربان کر دیا لیکن افراد کی روحی اور جسمانی قوتوں کے واضح اختلاف کی وجہ سے صرف معاشرتی تعاون کسی درجہ تک نہیں کر سکتا جب مفادات کا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو یہی معاشرہ جو اختلافات برطرف کرنے اور اصلاح احوال کی خاطر قائم ہوا تھا فساد و اختلاف کا بنیادی سبب بن جاتا ہے۔ اس مقام پر ایسے مشترک قوانین کی ضرورت پورے طور پر محسوس ہوتی ہے جو معاشرے کے تمام افراد کی نظر میں قابل قبول اور محترم ہوں اس لیے کہ جب تک لین دین کے ایک چھوٹے معاملے میں بھی ایسے قوانین موجود نہ ہوں جو خریدنے اور بیچنے والے کی نظر میں یکساں محترم ہوں تو وہ معاملہ انجام نہیں پاسکتا۔ پس ضروری ہے کہ معاشرے میں ایسے قوانین نافذ ہوں جو معاشرے کو پراگندہ ہونے سے اور افراد کے مفادات کو ضائع ہونے سے بچائیں اور نظام خلقت جو کہ تمام انواع کو ان کے مقصد اور کمال تک پہنچانے میں ان کی راہنمائی کرتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو بھی ایسے قوانین کی طرف راہنمائی کرے جو انسانی معاشرے کی سعادت کے ضامن ہوں۔

(۵) اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی ہدایت اور مذکورہ قوانین کی طرف راہنمائی کس کے ذمے ہے؟ اس کا جواب پہلے نکتے میں موجود ہے کہ اس کی ذمہ داری نظام خلقت پر ہے جو دیگر تمام موجودات کی راہنمائی کرتا ہے انسان کی ہدایت بھی اسی کے سپرد ہے کیونکہ انسان بھی اسی کائنات کا جزو ہے۔

اب ایک اور سوال جنم لیتا ہے کہ کیا انسان کی عقل اس ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتی؟ عقل کی نارسائی کو ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں یہاں پر قانون سازی میں عقل کی عدم کفایت پر بات کر رہے ہیں۔ عقل ان اختلافات کو برطرف کرنے کے لیے ضروری قانون کی طرف راہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دے سکتی اس لیے کہ یہ عقل ہی تو ہے جو اختلاف کی دعوت دیتی ہے، یہ عقل ہی تو ہے جو انسان کو اس بات پر اکساتی ہے کہ دوسروں سے خدمت لے اور اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے بے قیدو شرط اور مکمل آزادی کے ساتھ عمل کرے اگر یہ معاشرتی توازن کو قبول کرتی ہے تو اس کی وجہ وہ مجبوری ہے جو مفادات ٹکراؤ کے نتیجے میں رونما ہوتی ہے اور یہ بات مالکل واضح ہے کہ ایک عاملہ دو متضاد افعال یعنی ایجاد اختلاف اور رفع اختلاف کی حامل نہیں ہو سکتی۔ معاشرے پر حاکم قوانین کی بکثرت خلاف ورزی جو ہم روزانہ دیکھتے ہیں جسے جرم اور گناہ سمجھا جاتا ہے، انہیں لوگوں سے سر زد ہوتی ہے۔ جو عقل رکھتے ہیں، ورنہ اسے جرم یا گناہ نہ سمجھا جاتا۔ اگر عقل اختلافات کو زائل کو دینے والے قوانین کی طرف راہنمائی کر سکتی اور قانون شکنی کی جبلت سے پاک ہوتی تو ہرگز اس قانون شکنی کی اجازت نہ دیتی بلکہ اس کی ممانعت کرتی۔

عقل کے ہوتے ہوئے خلاف قانون کاموں کی بنیادی کاموں کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عقل نے معاشرتی توازن اور معاشرتی انصاف کے ضامن قوانین کے لیے قبول کیا ہے کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے کیونکہ وہ دیکھتی ہے کہ اگر ایسا نہ کرے تو کوڈ اس کے مفادات کے حصول میں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی اگر یہ رکاوٹیں موجود نہ ہوتیں تو وہ کبھی معاشرتی تعاون اور عدل و انصاف کا حکم صادر نہ کرتی۔

جو لوگ قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ یا تو ایسے لوگ ہیں جو قانون نافذ کرنے والے اداروں سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں یا پھر وہ قوہ مجریہ کی دستریں سے باہر ہوتے ہیں چاہے اس کی وجہ فاصلے کی دوری یا پناگاہوں کی مضبوطی یا ان اداروں کی غفلت ہو۔ یا پھر وہ ایسے طریقوں سے واردات کرتے ہیں کہ اپنی قانون شکنی کو قانون کے عین مطابق ظاہر کرتے ہیں پھر وہ مظلوم اور پسے ہوئے افراد کی بی کسی اور بے چارگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بہر حال وجہ جو بھی ہوا صل بات یہ ہوتی ہے کہ ان کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور اگر ہوبھی تو کمزور اور بے اثر ہوتی ہے ظاہر ہے ایسی صورت میں کوئی حکم موجود نہیں ہوتا وہ اس مکمل آزادی سے باز نہیں رکھتی اور دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کی جبلت کو کھلی چھٹی دے دیتی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عقل ایسے معاشرتی قانون کا طرف راہنمائی نہیں کر سکتی جو معاشرے میں توازن اور اعتدال کو برقرار رکھے اور معاشرے کے تمام افراد کے مفادات کی عادلانہ طور پر حفاظت بھی کرے مندرجہ بالا نکلا کو واضح کرنے کے بعد اب اصل دلیل پیش کی جاتی ہے۔

گذشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ دیگر تمام انواع کی طرح انسان بھی اپنی زندگی میں ایک اعلیٰ ہدف رکھتا ہے چونکہ اس کی ساخت و بناوٹ اور اس کی طبیعی ضروریات کی تکمیل کا تقاضا ہے کہ وہ معاشرتی زندگی اختیار کرے لہذا اس کی سعادت اور بدبختی معاشرے کی سعادت اور بدبختی سے وابستہ ہے وہ مجبور ہے کہ کسی معاشرے میں رہے اور اپنی ذاتی سعادت اور حسن عاقبت کو معاشرے کی سعادت میں تلاش کرے اور اس بات کو بھی ہم نے ثابت کیا کہ ایک مشترک قانون ہی اس قابل ہے کہ وہ براہ راست کسی معاشرے کی اور بالواسطہ فرد کی سعادت کی ضمانت دے

یہ بھی ثابت کیا کہ کہ دوسری تمام مخلوقات کی طرح ضروری ہے کہ سعادت اور اس کے لوازم کی طرف انسان کی ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو چونکہ انسان کی سعادت معاشرتی سعادت سے وابستہ ہے لہذا ایک مشترک قانون کی طرف ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو علاوہ براین انسانی عقل بھی راہنمائے کے لیے کافی نہیں ہے اس لیے کہ وہ تمام حالات میں معاشرتی عدالت اور عمومی تعاون کا حکم نہیں دیتی

پس اس گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ نوع انسانی میں عقلی ادراک کے علاوہ ادراک کی ایک اور قسم ہونی چاہیے جس کے ذریعے وہ مذکورہ ہدایت حاصل کر سکے ادراک کی یہ دوسری قسم جو نوع انسانی میں پائی جاتی ہے وہی ہے جسے انبیاء الہی نے وحی کا نام دیا ہے اور اپنے دعویٰ کے حق میں دلائل دیے ہیں

دلیل سوم:

جید عالم سعید احمد اکبر آبادی کی ضرورت پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا زیور علم و عقل سے آراستہ کیا اور اس نے انسان کے جسمانی نشوونما اور اس کی مادی زندگی کی ترقی و فلاح کے لیے کارگاہ ہست و بود کو رنگ رنگ کے نقش و نگار سے سجایا اور ابن آدم کی تربیت و کامرانی کے لیے ایک مخصوص نظام کے ماتحت قطعی و حتمی وسائل معیشت پیدا کیے چنانچہ وہ پانی پیتا ہے، ہوا میں سانس لیتا ہے بادلوں سے بارش ہوتی ہے جو اس کے کھیتوں اور باغوں کو سرسبز و شاداب کر دیتی ہے اور جس سے اناج اور پھل پیدا ہوتے بیناگ سے وہ اپنی غذا تیار کرتا ہے آفتاب کی دھوپ سے حرارت پیدا ہوتی ہے یہ سب چیزیں جن کی تخلیق میں انسان کی صنعت و حرفت کی کوئی دخل نہیں ان پر ہی حیات انسانی کے قیام و بقا کا دارومدار ہے یہ تمام اشیاء وہ ہیں جن کو مادی زندگی کے قدرتی وسائل و ذرائع کہا جاتا ہے لیکن اس مادی زندگی سے بڑھ کر انسان کی ایک اور زندگی ہے جس کو اخلاقی اور روحانی زندگی کہتے ہیں اور اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ یہ ہی وہ اصل حیات ہے جس پر انسان کی اجتماعی زندگی کا صالح اور درست نظام قائم رہ سکتا ہے اگر یہ نہ ہو تو انسان کی تمام ترقیات، عمرانی ایجادات و اختراعات اور عقلی تحقیقات و اکتشافات انسانیت کی تعمیر میں مفید ثابت ہونے کی بجائے خود اس کے لیے سم قاتل بن جائیں اور اس کی سوسائٹیاں و حشیوں اور درندوں کے مہیب ریوڑ کی شکل میں تبدیل ہو کر رہ جائیں جس طرح پورے نظام شمسی کے قیام و بقا کا دارومدار اجرام فلکی کے باہمی جذب و انجذاب پر ہے ٹھیک ہے اسی طرح انسانی سوسائٹی کے نظم و نسق اور اس کی فلاح و نجات کا انحصار حاسنہ اخلاقی یا روحانی اعمال و ضوابط پر ہے اس بنا پر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ رب العالمین جس نے انسان کی مادی و جسمانی زندگی کے قرار و قیام کا خود کو مکفل کیا اس کے لیے ایسے قدرتی وسائل و ذرائع پیدا کیے جن کی صنعت و تخلیق میں انسان کے اپنے دست ایجاد کو مطلقا دخل نہیں ہے وہ ہمیں اخلاقی اور روحانی زندگی کے ایسے قدرتی اصول و آئین نہ بتاتا جو صالح و تمدن کی اساس و بنیاد بنیں اور جو قطعی و حتمی ہونے کی وجہ سے ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہر شخص کے لیے لائق عمل اور درخود قبول و پذیرائی ہوں اور ان میں کسی کے لیے اختلاف کی گنجائش نہ ہو (۳۱)

اس دلیل اور دوسری دلیل میں فرق یہ ہے کہ اس میں انسانی کے روحانی اور اخلاقی پہلو کو مد نظر رکھا گیا ہے جبکہ سابقہ دلیل میں انسان کو معاشرتی زندگی کے لیے مشترک قانون کی ضرورت کو بنیاد بنایا گیا تھا اس استدلال میں ایک اور بات موجود ہے کہ اس کی بازگشت پھر خدا کی ذات اور صفات کی طرف ہوتی ہے آپ نے ملاحظہ کیا کہ مصنف لکھتے ہیں کہ:

”اس بنا پر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ رب العالمین جس نے انسان کی مادی و جسمانی زندگی کے قرار و قیام کا خود کو مکفل کیا“

وہ ہمیں اخلاقی اور روحانی زندگی کے ایسے قدرتی اصول و آئین نہ بتاتا جو صالح تمدن کی اساس بنیگو یا خدا شناسی اور معرفت تو حید ہمیں اس کی طرف سے ہدایت و راہنمائی ملنے کی ضرورت پر آگاہ کرتی ہے

مذکورہ بیان کے بعد موصوف یہ سوال اٹھا تے ہیں:

کہ جاسکتا ہے اس طرح کے اصول و ضبط کے لیے یہ کیا ضروری ہے کہ وہ خدا کے بنائے ہوئے ہوں اور اس نے ہی

انسان کو ان کی تلقین کی ہو جس طرح انسانی اپنے رہنے کے لیے مکانات بناتا ہے گرمی سردی سے محفوظ رہنے کی غرض سے اپنے لیے کپڑے بنتا ہے اور اسی طرح کی ہزاروں صنعتیں اس نے اپنے نفع کے لیے ایجاد کر رکھی ہیں وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنے لیے اخلاقی ضوابط و قواعد بنائے اور اپنی روحانی تشنگی کو فرد کرنے کے لیے خود ہی کوئی نسخہ کیمیا تجویز کر لے عقل جس طرح مادی ترقی کی راہ میں راہنمائی کرتی ہے اخلاق اور روحانیت کے میدان میں بھی وہ اسی طرح شمع ہدایت بن سکتی ہے

سوال کاجواب ہم اگرچہ پہلے دے چکے ہیں اور انسانی ہدایت و راہنمائی کے لیے عقل کی نارسائی کو ثابت کر چکے ہیں لیکن موصوف نے اپنے اسلوب میں ایک اور پہلو سے اس سوال کا جواب دیا ہے لہذا ان کے جواب کو نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے وہ جواب دیتے ہیں:

کسی انسان کی عقل کتنی ہی کامل و مکمل ہو نقص سے مبرا نہیں ہو سکتی انسان خود اپنی فطرت و طبیعت کے اعتبار سے ناقص و غیر مکمل ہے اس بنا پر اس کی کوئی قوت بھی خواہ ظاہری ہو یا باطنی، مادی ہو یا روحانی من کل الوجوه کامل نہیں ہے ہر معاملہ میں صحت کے ساتھ خطا، کمال کے ساتھ نقص اور تذکر کے ساتھ سہو و نسیان کا خدشہ لگا ہوا ہے اور کیوں نہ ہو، امکان و حدوث کی ظلمت کے ساتھ کمال کے خطا کا نور جمع کس طرح ہو سکتا ہے جس طرح انسان رنگ اور شکل میں ایک دوسرے سے متباہن ہیں ٹھیک اسی طرح اپنے قوائے فکریہ و باطنیہ کے لحاظ سے بھی وہ مختلف اور ایک دوسرے سے جدا بنیں ہو سکتا ہے کہ کوئی خوش نصیب عقل حقیقت کے بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زنی کر کے صداقت و حقانیت کے چند آبدار موتی حاصل کر سکے لیکن اس کے پاس وہ قوت کہاں ہے جس سے وہ تمام دنیا کو اس صداقت کا معترف بنا سکے کوئی انسانی اختراع و ایجاد خواہ کتنی ہی حقیقت سے قریب ہو، اختلاف کی گنجائش سے خالی نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ عوام کا تو پوچھنا ہی کیا ہے آج تک دنیا کی ممتاز عقلیں بھی کسی ایک مسئلہ پر متفق الراءے نہ ہو سکیں فلسفہ یونان کے جو بنیادی نظریے تھے اور جو قرونہاقرن تک عالم میں قبول و رائج رہے آخر آج موجودہ فلسفہ یورپ نے ان کو پرزہ پرزہ کر کے فضا میں منتشر کر دیا ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ آج فلسفہ حال کی عمارت جس بنیاد پر کھڑی ہے مستقبل میں کوئی قوم اپنے جدید نظریات و افکار کی قوت سے اسے پاش پاش نہیں کر دیگی اور اس عمارت کے کھنڈروں پر ایک نئے نظام فکر و عمل کی دنیا نہیں بسائے گی قرونوں اور صدیوں کے بعد جو کچھ ہو گا اسے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن اتنا تو اب بھی دیکھا جا رہا ہے کہ فلسفہ جدیدہ کی شاندار عمارت کو ارتیاب و شک کا گھن ابھی سے لگنا شروع ہو گیا ہے مولانا عبدالباری ندوی استاد فلسفہ جدیدہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن ”مہم انسانی“ کے مقدمہ میں اس راز سرہستہ کا افشا اس طرح کرتے ہیں:

اور سچ یہ ہے کہ اس کے بعد فلسفہ کی تاریخ زیادہ تر نام بدل بدل کر کھلے یا چھپے اقرار جہل کی تاریخ بن کر رہ گئی ”لاک“ کے یہاں یہ اقرار حسیت کے نقاب میں ہے اور ”برکلے“ کے ہاں ادعائے تصوریت کے، مگر اتنی باریک اور شفاف کہ روپوشی سے زیادہ رونمائی کی زینت ہے آخر برکلے کے بعد ہی ”ڈیوڈ بیوم“ نے اس رونما نقاب کو بھی تار تار کر دیا اور نہ صرف جہل و ارتیابیت کا کھل کر اقرار کیا بلکہ اپنے آپ کو ارتیابی ہی کہلانا پسند کیا اس کے بعد موصوف متعدد دلائل دینے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پس یہ ثابت ہو گیا کہ اصل صداقت و حقانیت اور کامل اطمینان و سکون کا سراغ صرف وحی الہی کے ذریعہ ہی مل سکتا ہے اور انسانی کی روحانی تشنگی صرف اسی سرچشمہ ہدایت کے آب زلال سے بجھ سکتی ہے

دلیل چہارم:

ایک اور اسلامی دانشور وحید الدین خان نے وحی کی ضرورت پر یوں استدلال کیا ہے:

وحی کی ضرورت کاسب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ رسول آدمی کو جس چیز سے باخبر کرتا ہے وہ آدمی کی شدید ترین ضرورت ہے مگر وہ خود اپنی کوشش سے اسے حاصل نہیں کر سکتا ہزاروں برس سے انسان حقیقت کی تلاش میں ہے، وہ سمجھنا چاہتا ہے کہ یہ کائنات کیا ہے، انسان کا آغاز و انجام کیا ہے، خیر کیا ہے اور شر کیا ہے، انسان کو کیسے قابو میں لایا جائے، زندگی کو کیسے منظم کیا جائے کہ انسانیت کے سارے تقاضے اپنے صحیح مقام کو پاتے ہوئے متوازن ترقی کر سکیں، مگر ابھی تک اس تلاش میں کامیابی نہیں ہوئی، تھوڑی مدت کی تلاش و جستجو کے بعد ہم نے لوہے اور پٹرول کی سائنس بالکل ٹھیک ٹھیک جان لی ہے اور اس طرح طبیعی دنیا کی سینکڑوں سائنسوں کے بارے میں صحیح ترین واقفیت حاصل کر لی، مگر انسانی کی سائنس ابھی تک دریافت نہیں ہوئی طویل ترین مدت کے درمیان بہترین دماغوں کی لاتعداد کوششوں کے باوجود یہ سائنس ابھی تک اپنے موضوع کی ابتدائیات کو بھی متعین نہ کر سکی، اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس معاملے میں ہمیں خدا کی مدد کی ضرورت ہے، اس کے بغیر ہم اپنا ”دین“ معلوم نہیں کر سکتے

یہ بات انسان جدید کو تسلیم ہے کہ زندگی کا راز ابھی تک اس کو معلوم نہ ہو سکا، مگر اسی کے ساتھ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی اس راز کو معلوم کر لے گا، سائنس اور صنعت کے پیدا کیے ہوئے ماحول کے انسان کے لیے سازگار نہ ہوتا اسی وجہ سے ہے کہ اگر ایک طرف جامد مادے کے علوم کو وسیع پیمانے پر ترقی ہوئی ہے تو دوسری طرف جاندار ہستیوں کے علوم بالکل ابتدائی حالت پر باقی ہیں، اس دوسرے شعبہ پر جس لوگوں نے کام کیا وہ حقیقت کو نہ پاسکے اور اپنے تخیلات کی دنیا میں بھٹک رہے ہیں نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر ایکس کیرل کے الفاظ میں:

فرانسیسی انقلاب کے اصول اور مارکس اور لینن کے نظریے محض ذہنی اور قیاسی انسانوں پر منطبق ہو سکتے ہیں، اس بات کو صاف طور پر محسوس کرنا چاہیے کہ انسانی تعلقات کے قوانین (LAW OF HUMAN RELATION) اب تک معلوم نہیں ہو سکے ہیں سماجیات اور اقتصادیات کے علوم محض قیاسی ہیں اور ناقابل ثبوت ہیں،

(ALEXIS CARREL, MAN THE UNKNOWN, P-37)

بلاشبہ موجودہ زمانے میں علوم نے بہت ترقی کی ہے مگر ان ترقیات نے مسئلہ اور الجھادیا ہے اس نے کبھی بھی درجہ میں اس کو حل کرنے میں کوئی مدد نہیں کی ہے ڈبلیو، این سولین لکھتا ہے:

سائنس نے موجودہ زمانے میں جس کائنات کو دریافت کیا ہے، وہ تمام فکری تاریخ کے مقابلے میں بہت زیادہ راسرار ہے اگرچہ فطرت کے بارے میں ہماری معلومات ایک اعتبار سے بہت کم تشفی بخش ہیں کیونکہ ہر سمت میں ایہام (AMBIGUITIES) تضاد (CONTRADICTIONS) سے دوچار ہو رہے ہیں“

(J.W.N SULLIVAN, LIMITATIONS OF SCIENCE, P1)

زندگی کے راز کو مادی علوم میں تلاش کرنے کا یہ عبرت ناک انجام بتاتا ہے کہ زندگی کا راز انسان کے لیے ناقابل دریافت ہے (تفصیل کے لیے ڈاکٹر الیکسی کیرل کی کتاب صفحات 16-19) ایک طرف صورت حال یہ ہے کہ زندگی کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے اس کے بغیر ہم کوئی عمل نہیں کر سکتے، ہمارے بہترین جذبات اسے جاننا چاہتے ہیں، ہماری ہستی کا اعلیٰ ترین جزو جس کو ہم فکرو ذہن کہتے ہیں وہ اس کے بغیر مطمئن ہونے کے لیے کسی طرح راضی نہیں، ہماری زندگی کا سارا نظام اس کے بغیر ایتر اور لایخل معمہ بنا ہوا ہے، دوسرے لفظوں میں یہ ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے مگر یہی سب سے بڑی ضرورت ہم خود سے پوری نہیں کر سکتے کیا یہ صورتحال اس بات کی کافی دلیل نہیں ہے کہ انسان ”وحی“ کا محتاج ہے، زندگی کی حقیقت کا انتہائی ضروری ہونے کے باوجود انسان کے لیے ناقابل دریافت ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اس کا انتظام اسی طرح خارج سے کیا جانا چاہیے، جیسے روشنی اور حرارت انسان کے لیے ناگزیر ہونے کے باوجود اس کے اپنے بس سے ظاہر ہے (۳۲)

اس دلیل میں خود انسان اور اس کی شناخت کو موضوع سخن قرار دیا گیا ہے ایک طرف تو زندگی کی حقیقت کو جاننا ضروری قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف اس راز اور حقیقت کو معلوم کرنے کا انسان کے پاس کوئی راستہ بھی نہیں پایا جاتا سوائے اس کے کہ خارج سے اسے یہ راہنمائی حاصل ہو اور اس کی یہ ضرورت خارج سے پوری ہو اور اس کے لیے وحی کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا

اس استدلال میں دوسرا پایہ انسان کی معرفت کے حوالے سے انسانی علم و عقل کی محدودیت کو قرار دیا ہے جسے ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں تقریباً اسی طرح کا استدلال مفتی اعظم محمد شفیع نے بھی بیان فرمایا ہے ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے:

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے اب دنیا میں انسان کے لیے وہ کام ناگزیر ہیں ایک کائنات کی تمام اشیاء سے ٹھیک ٹھیک کام لینا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے احکام کو مدنظر رکھنا اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرنا ان دونوں کاموں کے لیے انسان کو ”علم“ کی ضرورت

ہے اس لیے کہ جب تک اس کائنات کی حقیقت اور اس کی اشیاء کے خواص معلوم نہ ہوں وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا نیز جب تک اسے یہ علم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے؟ وہ کون سے کاموں کو پسند اور ناپسند فرماتا ہے؟ اس وقت تک اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ناممکن نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جس کے ذریعے اسے مذکورہ باتوں کا علم حاصل ہوتا رہے ایک انسان کے خواص، دوسری عقل، تیسری وحی علم کے تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی خاص حد اور مخصوص دائرہ کار رہے چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں ان کا علم نرمی عقل سے نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں کو بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اسے

دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہو سکتیں غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے لیکن اس عقل کی راہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے اس کے لیے جو ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام وحی ہے (۳۳)

اس دلیل میں جن دو باتوں کو بنیاد بنایا گیا ہے ایک یہ کہ انسان کو آزمائش کے لیے بھیجا گیا ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے ذمے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرائض عائد ہیں ان دو باتوں کو انسان کی عقل ادراک نہیں کرتی اور ان کی ضرورت کو احساس نہیں کرتی لہذا مذکورہ دلیل عقلی نہیں بن سکتی لامحالہ ان دو باتوں کا اثبات بذریعہ وحی ہو سکتا ہے لیکن اس مقام پر تو ہم خود وحی کی ضرورت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں پس اس دلیل کے ذریعے عقلی طور پر ہم وحی کی ضرورت کو ثابت نہیں کر سکتے البتہ مذکورہ دو باتوں کو انسانی عقل ادراک کر لے تو پھر ہم اسے وحی کی ضرورت پر عقلی دلیل کے طور پر پیش کر سکتے ہیں

مصادر

- ۱۔ ابن منظور ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، نشر ادب الحوزة ایران ۱۴۰۵ھ، ج ۵، ص ۳۰۲
- ۲۔ The concept of revelation is a fundamental one in every religion that in any way traces its origion to God or a divinity. Eliade, Mircea, The Encyclopedia of religion, Macmillan publishing company New York 1987, Volume 12, p_356
- ۳۔ وجدی محمد فرید دائرۃ المعارف القرآن الرابع عشر العثرین ، وزارة المعارف العمومية والجامعة الازهرایة مجالس المدیرات، الطبعة الرابعه 1967ء ج ۱۰، ص ۷۱۳۷۱۲
- ۴۔ ابن ابی الحدید عزالدین عبدالحمید بغدادی المدائنی، شرح نہج البلاغہ تحقیق ابوالفضل ابراہیم دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۶۵ء، ج ۱، خطبہ ۱، ص ۷۲
- ۵۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۱۶، مکتوب ۳۱، ص ۷۷
- ۶۔ کلینی ابی جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق اصول کافی دارالکتب طهران، ۱۳۶۵ ہجری، شمسی، ج ۱، ص ۱۶۸
- ۷۔ فیاض لاہچی، ملا عبدالرزاق گوہر مراد، تصحیح و تحقیق زین العابدین لاہچی، وزارت فرہنگ ارشاد اسلامی تہران ۱۳۷۲ ہجری شمسی، ص ۳۷۵
- ۸۔ مطہری مرتضیٰ حکمتہا و اندر زہا، انتشارات صدراتہران، ص ۱۷۱۸
- ۹۔ شفیع مفتی محمد معارف القرآن ادارة المعارف کراچی، اکتوبر ۱۹۹۴ء، ج ۱، ص ۲۲
- ۱۰۔ Eddington, science and the huseeri world, 1929, p-44
- ۱۱۔ پرویز غلام احمد ”انسان نے کیا سوچا“ طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۴۰۷
- ۱۲۔ Bergson, Henri, Creative Evolution, px
- ۱۳۔ Bergson, Henri, Creative Evolution, p-174
- ۱۴۔ Brightman, Edgardo, s A philosophy of Religion cobesbury press 1930, p-113
- ۱۵۔ Sheen, Fulion, J, Philosophy of Religion, Appleton, century crofts Inc New York may 7, 1948, p-341
- ۱۶۔ company 1935, p-201 & Bergson Henri, Two sources of molarity and Religion, Henry Holt
- ۱۷۔ Einstein, Albert, Out of my latter years, philosophical Library New York 1950, p-25-26
- ۱۸۔ Ouspensky P.D, A new Model of the universe p-34
- ۱۹۔ جوادی آملی عبداللہ وحی و رہبری، ۱۴۰۹ ہجری، ص ۲۷۴
- ۲۰۔ Bergson Henri, Creative Evolution p.x
- ۲۱۔ پرویز غلام احمد نقل از Cassier, Ari Essay on Man نے سوچا، طلوع اسلام ٹرسٹص ۴۱۱
- ۲۲۔ القرآن ۲:۲۴۲
- ۲۳۔ القرآن ۳:۱۹۰
- ۲۴۔ القرآن ۲:۱۷۱
- ۲۵۔ القرآن ۸:۲۲

- ۲۶۔ مجلسی محمد باقر بحار الانوار الجامعہ لدرر اخبار الائمه الاطهار، موسسہ الوفاء، بیروت ۹۸۶ء، ج ۱، ص ۹۴، ج ۱۹
- ۲۷۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۱۲، ج ۱۱
- ۲۸۔ بحار الانوار، ج ۱، ص ۳۴۲، ۹۵
- ۲۹۔ حسین مفتی جعفر، ترجمہ نبج البلاغہ امامیہ پبلیکشنز لاہور، کلمات قصار، جملہ ۵۴
- ۳۰۔ نبج البلاغہ، خطبہ ۱، ص ۷۸
- ۳۱۔ القرآن: ۵۲: ۲۰
- ۳۲۔ القرآن: ۳: ۲، ۸۲
- ۳۳۔ القرآن: ۳: ۲، ۷۲
- ۳۴۔ اکبر آبادی مولانا سعید احمد وحی الہی مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۸۰۷
- ۳۵۔ خان وحید الدین، مذہب اور جدید چینج دارالاصلاح لاہور ۱۹۹۴ء ص ۱۳۰، ۱۳۲
- ۳۶۔ معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۲، ۲۱